ماہنامہ

خالد

ربوہ

جنوری ۱۹۶۸ء

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

(حضور کا خدام سے ایک اہم خطاب رسالہ کے اندر ملاحظہ فرمائیں)

مدیر
عطاء المجیب راشد

نائب مدیر
منصور احمد عمر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم ــــــ و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

استبقوا الخیرات

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

(المصلح الموعودؓ)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

جلد | شمارہ

ماہنامہ خالد ربوہ

جنوری ۱۹۶۸ء

مدیر

عطاء المجیب راشد

نائب مدیر

منصور احمد عمر

سالانہ چندہ: چھ روپے ـــــ قیمت فی پرچہ: پچاس پیسے

(محمد شفیق قیصر پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ سے شائع کیا)

ترتیب

اداریہ

امامِ وقت کا ارشاد!

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جس رنگ میں جماعت احمدیہ کی کامیاب قیادت فرمائی ہے اور جماعت کی اصلاح، استحکام اور ترقی کے لئے جس رنگ میں وسیع پیمانہ پر اہتمام فرمایا ہے وہ بذاتِ خود اس بات کی ایک واضح دلیل ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور راہنمائی حاصل ہے اور آپ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے خلیفۂ برحق ہیں۔

خلافتِ ثالثہ کے بابرکت دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی طور پر ترقیات کے دروازے کھولے گئے ہیں۔ اندرونی استحکام اور اصلاح کے علاوہ جماعت احمدیہ کو تبلیغ اسلام کے میدان میں ایسی شاندار کامیابیاں نصیب ہو رہی ہیں جن کی وجہ سے مخالفینِ احمدیت کی صفوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی ہے لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل و کرم کو دیکھ کر احمدی جماعت کے دل آستانۂ الوہیت پر سجدہ ریز ہیں کہ اس نے محض اپنے فضل سے ہم کو یہ سعادت عطا کی ہے کہ ہم خلافتِ ثالثہ کے اس دور میں فرشتوں کی خدائی فوجوں کو آسمان سے نازل ہوتے اور انسانی قلوب کو تسخیر کرتے دیکھ رہے ہیں۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

جب اللہ تعالیٰ کسی شخص یا قوم پر انعام نازل کرتا ہے تو اس کی ذمہ داری پہلے سے بہت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس نعمتِ خداوندی کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔ شکر بجا لانے کے مختلف طریق ہیں۔ دل میں احسان مندی کے جذبات پیدا کرلے، زبان سے ان احسانات کا تذکرہ کرنے اور اپنے قول و فعل سے تشکر و امتنان کا اظہار کرنے کے علاوہ شکر کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ نعمائے خداوندی کا جائز، صحیح اور مناسب استعمال کیا جائے۔ الغرض ان سب طریقوں کو مدنظر رکھ کر اگر نعمائے خداوندی پر شکر بجا لایا جائے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ کہ اگر تم شکر بجا لاؤ گے تو میں تم پر اپنے فضلوں کی بارش پہلے سے بڑھ کر نازل کروں گا۔

خلافتِ ثالثہ کے اس بابرکت دور میں تائید و نصرتِ خداوندی اور جماعت کی ترقی کے رنگ میں اللہ تعالیٰ کا جماعت احمدیہ پر جو احسان ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجداتِ شکر بجا لانا ہر احمدی کا فرض ہے۔ اس شکر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نظامِ خلافت سے حقیقی اور مخلصانہ وابستگی قائم کی جائے اور خلیفۂ وقت کی ہر آواز کو دل میں جگہ دے کر اس کی پوری پوری تعمیل کی جائے اور اپنے آپ کو اس پاک اور روحانی رنگ میں ڈھالنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے

جو ہمارے محبوب امام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خواہش اور تمنا ہے۔

حضور کی خواہش اور تمنا کیا ہے؟ اس سوال کا جواب حضور کے مندرجہ ذیل دو ارشادات سے معلوم ہو جاتا ہے حضور نے آئندہ پچیس تیس سالوں کو خدائی فضلوں اور رحمتوں کے نزول کے اعتبار سے نہایت اہم قرار دیتے ہوئے احباب جماعت کو فرمایا:۔

"مَیں نے ابھی بتایا ہے کہ پچیس تیس سال جہاں ان اقوام کے لئے بڑے نازک ہیں ہمارے لئے بھی یہ سال بڑے نازک ہیں۔ یہ زمانہ ہمارے لئے انتہائی نازک ہے اسلئے کہ اس زمانہ میں ہماری ترقی کے بہت سے دروازے کھل رہے ہیں اور کھلیں گے انشاء اللہ۔ اگر ہم اپنی غفلت اور سُستی کے نتیجہ میں ان دروازوں میں داخل نہ ہوں تو بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو ہم حاصل کریں اللہ کے غضب کے مورد بن سکتے ہیں یہ پس خوف کا مقام ہے ہمیں سوچنا چاہیئے۔ ہمیں ڈرنا چاہیئے بدنتائج سے۔ اور ہمیں اپنی ذمہ داری کو سمجھنا چاہیئے"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۵ء)

ان ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

"آج مَیں ایک بات آپ کو بتا دیتا ہوں اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اسلام کو تمام دنیا میں غالب کرنے کی جو آسمانی مہم شروع کی گئی تھی آج وہ ایک نہایت ہی اہم اور نازک دَور میں داخل ہو چکی ہے اور جماعت احمدیہ کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ آئندہ کم و بیش تیس سال تک اپنی قربانیوں کو انتہاء تک پہنچائے نیز اپنی دعاؤں کو انتہاء تک پہنچائے تا اللہ تعالیٰ ان قربانیوں اور ان دعاؤں کو قبول کرے اور وہ مقاصد حاصل ہوں جن مقاصد

کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو کھڑا کیا ہے پس کم و بیش تئیس سال کا عرصہ بڑا ہی اہم ہے، بڑا ہی اہم ہے اور ہم سے انتہائی قربانیوں کا مطالبہ کر رہا ہے اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بھی ہے کہ اگر تم میری راہ میں انتہائی قربانیاں دو گے اور اسلام کے ہر حکم کے سامنے اپنے سروں کو جھکا دو گے، خالص مسلمان ہو جاؤ گے، اپنے نفسوں پر ایک موت وارد کر لو گے تو میں تمہیں انتہائی اور عظیم انعام بھی دوں گا۔

پس ہم میں سے ہر ایک شخص کا (انفرادی حیثیت میں بھی اور جماعت کا بحیثیت جماعت) فرض ہے کہ وہ آگے بڑھے اور اس نازک اور اہم وقت میں انتہائی قربانیوں کو اپنے ربّ کے قدموں میں جا رکھے تا کہ اپنے ربّ کی پیار بھری نگاہ کا وہ مستحق اور وارث قرار دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہماری مدد کے لئے آسمانوں سے اُتریں اور خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہماری زندگیوں میں پورا ہو کہ "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر دل میں گاڑ دی جائے گی"۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ر دسمبر ۱۹۶۷ء)

حضور کے ان ارشادات کے بعد کسی وضاحت اور تشریح کی ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف ذمہ داریوں کو سمجھنے اور صحیح طور پر عمل کرنے کی ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا کرے۔ آمین ۔

معارف القرآن

جنّت کا نقشہ

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ۝ وَّأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ۝ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ۝ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ۝ (الغاشیہ)

ترجمہ - اس (جنّت) میں ایک بہتا ہوا چشمہ ہوگا - اور اس میں اونچے تخت (بھی) رکھے ہوں گے - اور آبخورے دھرے ہوئے ہوں گے - اور سہارا لینے والے چھوٹے سائز کے تکیے قطاروں میں رکھے ہوں گے - اور قالینیں بچھی ہوئی ہوں گی -

تشریح - اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دو جنّتیں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے - ایک اس دنیا میں اور ایک اُخروی زندگی میں - یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر دو جنتوں کے پھل متشابہ ہوں گے - مذکورہ بالا آیات میں جنّت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے - ایک مومن کا کام ہے کہ ان حالات کو اس دنیا میں بھی پیدا کرے -

عَيْنٌ جَارِيَةٌ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مومن کے ذریعہ ہر دم روحانی معارف کا دَور جاری رہنا چاہیئے اس کے قلب صافی سے عرفان کا پھوٹنے والا چشمہ دلوں کی سیرابی کا باعث ہو -

سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ میں یہ ذکر ہے کہ مومنوں کو معرفتِ الٰہی اور علم و عرفان میں اس حد تک ترقی کرنی چاہیئے کہ گویا وہ اُونچے تختوں پر شاہانہ حیثیت سے جلوہ افروز ہوں -

أَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ کا ذکر یاد دلاتا ہے کہ مومنوں کے چشمۂ عرفان سے دنیا کی سیرابی کا سامان بسہولت اور بافراغت ہونا چاہیئے - ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق معرفت کا جام نوش کرے -

نَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ کے ذریعہ یہ امر ظاہر کرنا مقصود ہے کہ معاشرہ کے اندر اخوّت اور مساوات کا پایا جانا ضروری ہے - معاشرہ کا ہر فرد عزت اور وقار کی نظر سے دیکھا جانا چاہیئے -

زَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مذکورہ بالا صفات کے حاملین مومنوں کو دنیا میں شرف اور عزت کا ایک ایسا مقام دینا چاہیئے جو اُن کے شایانِ شان ہو - جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

حضرتِ واعظ جو آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ

درسِ حدیث

مومنین کی مثال

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضاً وَشَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ - ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ایک) مومن (دوسرے) مومن کے لئے عمارت کی مانند ہے۔ اس (عمارت) کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے۔ (اس پر حضورؐ نے) اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں۔

تشریح - اس حدیث میں ہر مومن کو معاشرہ کا ایک نہایت اہم حصہ قرار دیا گیا ہے۔ معاشرہ ایک عمارت کی حیثیت رکھتا ہے اور مومنین اس کی اینٹیں ہیں۔ ہر اینٹ دوسری اینٹ کیلئے تقویت اور سہارا کا باعث ہوتی ہے۔ پس مومنوں کو باہم الفت و مودت سے زندگی گزارنی چاہیئے۔ مومنوں کے اندر باہم جتنا زیادہ اتفاق اور اتحاد جتنی زیادہ ہمدردی اور محبت پائی جائے گی اتنی زیادہ معاشرہ کی فضا پُر امن ہوگی اور مومنوں کی قوت مجتمع اور مضبوط ہوگی۔ مومنوں کا کام ساری دنیا میں اسلام اور سلامتی کو قائم کرنا ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے باہمی اتحاد و اتفاق اور جذبۂ ایثار کی اشد ضرورت ہے۔ تاکہ ہر قسم کی قوت شیطان کے خلاف استعمال کی جا سکے۔ یونہی غیر مناسب موقع پر ضائع نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر جہاد کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی"۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ہم اپنے بھائیوں سے عفو و درگذر کا سلوک کریں اور ان کی ہمدردی اور غمخواری کے لئے ہر دم کوشاں رہیں۔

کلامِ مُصلح موعودؓ

دیدارِ الٰہی کا نظّارہ

مَیں نے جس دن سے ہے پیارے ترا چہرہ دیکھا
پھر نہیں اور کسی کا رُخِ زیبا دیکھا

سچ کہوں گا کہ نہیں دیکھی یہ خوبی اُن میں
چہرۂ یوسف و اندازِ زلیخا دیکھا

خاک کے پُتلے تو دنیا میں بہت دیکھے تھے
پر کبھی ایسا نہ تھا نُور کا پُتلا دیکھا

جب کبھی دیکھی ہیں یہ تیری غزالی آنکھیں
مَیں نے دنیا میں ہی فردوس کا نقشہ دیکھا

تیرے جاتے ہی ترا خیال چلا آتا ہے
تیرے جانے میں بھی آنے کا تماشا دیکھا

مشتری بھی ہے ترا مشتری اے جانِ جہاں
اُس نے جس دن سے ہے تیرا رُخِ زیبا دیکھا

اپنی آنکھوں سے کئی بار ہے سورج کا بھی
پتّا الفت میں تری مَیں نے پگھلتا دیکھا

دیکھ کر اس کو ہیں دُنیا کے حسیں دیکھ لئے
کیا بتاؤں کہ ترے چہرہ میں ہے کیا دیکھا

تیری غصّہ بھری آنکھوں کو جو دیکھا مَیں نے
حُور کی آنکھوں میں دوزخ کا نظارا دیکھا

ظلم کرتے ہو جو کہتے ہو شفق پھُوٹی ہے
تم نے عاشق کا ہے یہ خونِ تمنّا دیکھا

تبرکات

ہمیشہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہو

(خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت حاجی الحرمین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا ایھا الذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منھم ولا نساءٌ من نساءٍ ۔

جب بعض آدمیوں کو آرام ملتا ہے فکر معاش سے گونہ بے فکری حاصل ہوتی ہے وہ نکمے بیٹھنے لگتے ہیں۔ اب اور کوئی مشغلہ تو ہے نہیں تمسخر کی خو ڈال لیتے ہیں۔ یہ تمسخر کبھی زبان سے ہوتا ہے۔ کبھی اعضاء سے کبھی تحریر سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس تمسخر کا نتیجہ بہت بُرا ہے۔ وحدت باطل ہو جاتی ہے۔ پھر وحدت جس قوم میں نہ ہو وہ بجائے ترقی کے ہلاک ہو جاتی ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت کو مار رہے تھے یہاں تک کہ اُسے کہا جاتا ۔ کہ "زَنَیْتِ سَرَقْتِ" تو نے زنا کیا۔ تو نے چوری کی۔ ایک سننے والی پر اس کا اثر ہوا اور اس نے دعا کی کہ الٰہی میری اولاد ایسی نہ ہو گو دہیں لڑکا بول اٹھا کہ الٰہی مجھے ایسا ہی بنائیو کیونکہ اس عورت پر بدظنی کی جا رہی ہے۔ یہ واقع میں بہت اچھی ہے۔ اسی طرح ایک اور کا ذکر کہ ماں نے دعا کی کہ الٰہی میرا بچہ ایسا ہی ہو۔ مگر بچہ نے کہا کہ الٰہی میں ایسا نہ ہوں غرض کسی کو کسی کے حالات کی کیا خبر ہو سکتی ہے ہر ایک کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ ممکن ہے کہ ایک شخص ایسا نہ ہو جیسا اسے سمجھا جاتا ہے۔ لوگوں کی نگاہ میں حقیر ہو مگر خدا کے نزدیک مقرب ہو مگر الاعمال بالخواتیم کے مطابق ممکن ہے جس سے تمسخر کیا جاتا ہے۔ اس کا انجام اچھا ہو۔ ولا نساء من نساءٍ ۔ آیت میں آیا ہے۔ یہاں عورتیں بیٹھی ہوئی نہیں۔ مگر آدمی کا نفس بھی مؤنث ہے۔ ہر ایک اس کو مراد رکھ سکتا ہے۔ دوم اپنے اپنے گھروں میں جا کر یہ بات پہنچا دو کوئی عورت کسی دوسری عورت کی تحقیر نہ کرے ۔ اور اس سے ٹھٹھا نہ کرے ۔ تم ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ۔ اور نام نہ رکھو۔ تم کسی کا بُرا نام رکھو گے۔ تو تمہارا نام اس سے پہلے فاسق ہو چکا۔ مومن ہونے کے بعد فاسق نام رکھانا

بہت ہی بُری بات ہے۔ یہ تمسخر کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ بدظنی سے۔ اس لئے فرماتا ہے اجتنبوا کثیرا من الظن۔ بدگمانیوں سے بچو۔ حدیث میں بھی آیا ہے ایاکم والظن۔ فان الظن اکذب الحدیث۔ اس بدظنی سے بڑا بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ میں نے ایک کتاب منگوائی وہ بہت بے نظیر تھی میں نے مجلس میں اس کی خوب تعریف کی۔ کچھ دنوں بعد وہ کتاب گم ہو گئی۔ مجھے کسی خاص پر تو خیال نہ آیا۔ مگر یہ خیال ضرور آیا کہ کسی نے اٹھا لی ہے۔ پھر جب کچھ عرصہ نہ ملی۔ تو یقین ہو گیا۔ کہ کسی نے چُرا لی۔ ایک دن جب میں نے اپنے مکان سے الماریاں اٹھوائیں تو کیا دیکھتا ہوں۔ الماری کے پیچھے بیچوں بیچ کتاب پڑی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کتاب میں نے رکھی ہے۔ اور وہ پیچھے جا پڑی اس وقت مجھے دو معرفت کے نکتے کھلے۔ ایک تو مجھے ملامت ہوئی کہ میں نے دوسرے پر بدگمانی کیوں کی۔ دوم میں نے صدمہ کیوں اٹھایا۔ خدا کی کتاب اس سے بھی زیادہ عزیز اور عمدہ میرے پاس موجود تھی۔ اسی طرح میرا ایک بستر تھا جس کی کوئی آٹھ تہیں ہوں گی۔ ایک نہایت عمدہ ٹوپی مجھے کسی نے بھیجی۔ جس پر طلائی کام ہوا تھا ایک عورت اجنبی ہمارے گھر میں تھی۔ اُسے اس کام کا بہت شوق تھا۔ اس نے اس کے دیکھنے میں بہت دلچسپی لی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ٹوپی گم ہو گئی مجھے اس کے گم ہونے کا صدمہ تو نہ ہوا۔ کیونکہ نہ میرے سر پر پوری آتی تھی نہ میرے بچوں کے سر پر۔ مگر میرے عکس نے اس طرف توجہ کی کہ اس عورت کے پسند آ گئی ہو گی۔ مدت گذر گئی۔ اس عورت کے چلے جانے کے بعد جب بستر کو جھاڑنے کے لئے کھولا گیا تو اس کی ایک تہہ میں سے نکل آئی

دیکھو بدظنی کیسا خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو سکھاتا ہے۔ جیسا کہ اس نے محض اپنے فضل سے میری رہنمائی کی۔ اور لوگوں سے بھی ایسے معاملات ہوں گے۔ مگر تم نصیحت نہیں پکڑتے۔ اس بدظنی کی جڑ ہے۔ "کرید" خواہ مخواہ کسی کے حالات کی جستجو اور اور تاڑ بازی۔ اس لئے فرماتا ہے ولا تجسسوا اور پھر اس تجسس سے غیبت کا مرض پیدا ہوتا ہے۔

ان آیات میں تم کو یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ گناہ شروع میں بہت چھوٹا ہے۔ مگر آخر میں بہت بڑا ہو جاتا ہے۔ جیسے بڑ کا بیج دیکھنے میں کتنا چھوٹا ہے۔ لیکن پھر بعض جڑیں ایک ایک میل تک چلی گئی ہیں۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہو۔ اور بدی کو اس کے ابتداء ہی چھوڑ دو۔

(فرمودہ ۱۱ نومبر ۱۹۰۹ء)

انقطاع الی اللہ

(کلام حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ)

سر پر کھڑی ہے موت فرا ہوشیار ہو
ایسا نہ ہو کہ توبہ سے پہلے شکار ہو

زندہ خدا سے دل کو لگا اے عزیزِ من
کیا اس سے فائدہ جو فنا کا شکار ہو

یادِ خدا میں تجھ کو ملے لذّت و سرور
بس تیری زندگی کا اسی پر مدار ہو

تجھ کو اسی کا شوق ہو ہر وقت ہر گھڑی
ہر دم اسی کے عشق کا سر میں خمار ہو

خالی ہو دل ہوائے متاعِ جہان سے
تجھ کو بس اک آرزوئے وصلِ یار ہو

یادِ حبیبؐ سے نہ ہو غافل کبھی بھی تُو
اس بات سے کوئی ترا مانع ہزار ہو

جاہ و جلالِ دنیائے فانی پہ لات مار
گر تُو یہ چاہتا ہے کہ تُو باوقار ہو

ہو فکر تجھ کو روزِ جزا کی لگی ہوئی
اور اس کے غم میں آنکھ تیری اشکبار ہو

طالب نگاہِ لطف کا ہوں مدّتوں سے میں
مجھ پر بھی اک نظر مرے پروردگار ہو

احمدؔ یہی دُعا ہے کہ روزِ جزا نصیب
تجھ کو نبی کریمؐ کا قرب و جوار ہو

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے

جو سبق تمہیں دیئے ہیں انہیں ہر وقت پیشِ نظر رکھو

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خدام الاحمدیہ سے

ایک اہم خطاب

(ذیل میں سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی وہ نہایت اہم تقریر درج کی جاتی ہے جو حضور نے اس دعوت استقبالیہ کے بعد فرمائی جو مجلس ربوہ نے سفر یورپ سے کامیاب مراجعت پر حضور کے اعزاز میں منعقد کی تھی۔ حضور کا یہ خطاب بیش قیمت نصائح پر مشتمل ہے۔ اس لئے ہم اس خطاب کو اپیل کرتے ہوئے شائع کرتے ہیں کہ تمام خدام بھائی امام وقت کے ان زریں ارشادات کا بغور مطالعہ کریں اور قائدین کرام مجلس کے اجلاسوں میں اس مضمون کو سنائیں۔ (مدیر)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

اے میرے نہایت ہی عزیز بچو!

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ

جس وقت میری نظر آپ عزیزوں پر پڑتی ہے تو دل خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے اور ذہن اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ

احمدیت کے یہ وہ نونہال ہیں

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے اپنے وقت پر ان ذمہ داریوں کو اٹھانا ہے جو ایک

احمدی کے کندھوں پر اللہ تعالیٰ
نے رکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق
سے جماعت نے ایک حد تک ان
کی تربیت کی ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے زیادہ
سے زیادہ ان کی تربیت ہونی چاہیئے۔ جو نظارے
اور واقعات میں نے یورپ کے ان ملکوں میں دیکھے
ہیں۔ جن کے دورہ سے ابھی میں واپس آیا ہوں۔
اس کے نتیجہ میں مَیں اس یقین سے پُر ہوں کہ وہ وقت
زیادہ دُور نہیں۔ جب ہمارے نوجوانوں کو بھی اور
بڈھوں کو بھی مردوں کو بھی عورتوں کو بھی اسلام کے
استحکام اور اسلام کی اشاعت کے لئے اور توحید
کے قیام کے لئے انتہائی قربانیاں دینی پڑیں گی۔ اور
مَیں اپنے رب سے امید رکھتا ہوں اور مَیں بہت کثرت
سے یہ دعائیں کرتا ہوں کہ جب بھی وقت آئے۔ ہم میں
سے کوئی بھی اپنے رب کے حضور شرمندہ نہ ہو بلکہ
اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے انہیں کما حقہ ادا کرنے
والا ہو۔ اس تربیت کے لئے حضرت مصلح موعود رضی
اللہ عنہ نے آپ کو بہت سے اسباق دئے ہیں۔ جن
میں چند ایک کا جو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ مَیں
اس وقت یہاں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

★ پہلا سبق خلافت سے وابستگی کا تھا
★ دوسرا سبق محنت کی انتہائی محنت کی عادت ڈالنے کا تھا۔
★ تیسرا سبق دیانتداری کو قائم کرنے کا تھا۔
★ چوتھا سبق جو تنظیم کے لئے حقیقتاً بنیادی

سبق ہے۔ وہ یہ تھا کہ ہم میں سے ہر ایک نوجوان
کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نے اپنی زندگی میں
عاجزانہ راہوں کو اختیار کرنا اور خدا اور اس کے
رسول کا ایک طرف اور بنی نوع انسان کا دوسری
طرف ایک خادم بن کر اپنی زندگی کو گذارنا ہے۔

پہلے سبق کے متعلق میں کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک اللہ تعالیٰ
کی منشاء اپنے سلسلہ میں خلافتِ راشدہ کو قائم
رکھنے کی ہے۔ اس وقت تک تمام برکتیں خلافت
سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اور ہر وہ شخص جو اس نکتہ
کو نہیں سمجھتا وہ ان برکتوں سے محروم رہ جاتا ہے
میرا یہ تجربہ ہے ذاتی کہ بعض لوگ جو اس نکتہ کو
نہیں سمجھتے ان کے حق میں میری دعائیں قبول نہیں
بلکہ رد کر دی جاتی ہیں۔ حالانکہ میں نے اپنے
لئے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ اگر کسی شخص کے
متعلق مجھے یقین بھی ہو جائے کہ وہ خلافت کی
اہمیت کو نہیں سمجھتا اور اس کے دل میں خلافت کے
نظام سے وہ محبت اور وہ پیار نہیں جو ایک
احمدی کے دل میں ہونی چاہیئے۔ تب بھی میں اس
کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں۔ اور دعا کرنے میں
کوئی کمی نہیں چھوڑتا۔ اب دعا کرنا میرا کام ہے
مَیں اپنا کام کر دیتا ہوں۔ دعا قبول کرنا میرے
رب کا کام ہے اور مَیں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ ایسے
لوگوں کے حق میں میری دعا قبول نہیں ہوتی حالانکہ
اس کے برعکس بہت سے ایسے احمدی بھی ہیں جو
اگرچہ اعتقاداً پختہ ہوتے ہیں اور نظام جماعت

سے ان کا بڑا گہرا اور سچا تعلق ہوتا ہے اور خلافت سے وہ حقیقی تعلق رکھتے ہیں لیکن عملاً بہت سی ذاتی کمزوریاں ان میں پائی ہیں لیکن جب اس گروہ کے متعلق یا ان میں سے کسی فرد کے متعلق دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ بسا اوقات محض اپنے فضل سے اس دعا کو بڑی جلدی قبول کر لیتا ہے یہ ایک ذاتی مشاہدہ ہے اس مختصر سے وقت میں یعنی جب سے میں مسندِ خلافت پر بٹھایا گیا جو میں نے ذاتی مشاہدے کئے اور جس رنگ میں اللہ تعالےٰ کے فضلوں کو نازل ہوتے دیکھا۔ اور بعض دعاؤں کو ردّ ہوتے پایا۔ یہ میرا مشاہدہ ہے جو میں نے اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے رکھدیا ہے۔ جب تک خلافتِ راشدہ قائم ہے یہ برکاتِ خلافت جماعت کے اندر قائم رہیں گی اگر اور جب خدانہ کرے حالات بدل جائیں اور جماعت بحیثیت جماعت اس پختہ ایمان اور پختہ عمل پر قائم نہ رہے جس کے نتیجہ میں خلافت کا انعام ملتا ہے۔ تو کیا ہوگا یہ تو اللہ تعالےٰ ہی جانے۔ لیکن ہمیں آج ایسے کمزور احمدی کی ضرور فکر ہے۔ جو احمدی کہلاتا ہے لیکن نظام احمدیت کے مرکزی نقطہ سے غافل ہے اور اس کو پہچانتا نہیں اسی لئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ہم خدام کو عہد میں اسلئے شامل کیا تھا کہ جماعت کے نوجوان خلافت سے وابستہ رہیں اس حد تک کہ ہر قربانی کرنے کے لئے تیار

رہیں اور اسی میں ہر خیر و برکت ہے اس تنظیم کے لئے جو خدام الاحمدیہ کہلاتی ہے۔

دوسرا سبق ہمیں دیا گیا تھا محنت کا اگر ہم اس سبق پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہماری ذمہ داریاں دوسروں کے مقابلہ میں دوہری ہیں۔ جو انسان اپنے ربّ کو نہیں پہچانتا اس کی جتنی بھی ذمہ داری ہے دنیوی ہے اپنے بھائیوں سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن وہ جماعت اور اس جماعت کے نوجوان جو اپنے ربّ کو پہچانتے ہیں اور اس کا عرفان رکھتے ہیں ان کے اوپر ایک طرف حقوق اللہ کی ادائیگی کی ذمہ داری ہے تو دوسری طرف حقوق العباد کی ادائیگی کی ذمہ داری لیکن ہر دو گروہوں کی زندگی کے اوقات ایک ہی ہیں وہی چوبیس گھنٹے ایک کو ملتے ہیں وہی دوسرے کو ملتے ہیں اگر ایک شخص نے ان چوبیس گھنٹوں میں ان دوہری ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہو تو عقل کہتی ہے کہ اپنی رفتار کو ڈبل کرو دوگنی رفتار سے چلو تب تم اپنے مقصد کو پا سکو گے۔

تو ہمارے اوپر ذمہ داری چونکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ہر دو کی ادائیگی کی تھی اسلئے ہمیں ہمارے پیارے امام مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ محنت کی عادت ڈالو اتنی محنت کرو کہ کوئی دوسرا انسان (احمدیت سے باہر) اتنی محنت نہ کرتا ہو "حقوق اللہ" کی ادائیگی میں ہم نے تسبیح اور تحمید کرنی ہے۔ حقوق اللہ میں ہم نے

نماز باجماعت ادا کرنی ہے۔ راتوں کو اٹھنا ہے
اور دولت کو اتنی پسند نہیں لیتی جتنی کہ عام طور
پر دوسرے لوگ لیتے ہیں بہت سے حقوق ہیں
ہمارے اللہ کے جو ہم نے ادا کرنے ہیں اور پھر
دن کی دوڑ ہیں جس میں ہم اور وہ برابر ہیں حقوق
العباد کی ادائیگی میں ان کے ساتھ ہم نے دوڑنا ہے
اور اس میں بھی ہماری ذمہ داری زیادہ ہے کیونکہ
دوسرے تو حقوق العباد کو اچھی طرح سے سمجھتے
نہیں کوئی اپنے ہمسایہ کا حق ادا نہیں کر رہا۔ کوئی اپنے
شریک کا حق ادا نہیں کر رہا۔ کوئی اپنی بیوی کا
حق ادا نہیں کر رہا۔ کوئی اپنے ہم پیشہ لوگوں کا حق
ادا نہیں کر رہا۔ کتنے حقوق ہیں جن کو یا تو وہ سمجھتے
نہیں یا انہیں ادا نہیں کر رہے لیکن ہم ایسا کر نہیں
سکتے کوئی حق ایسا نہیں جس کو ہم نے ادا نہیں کرنا
اسلئے کہ ہم اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے
اس کے کہنے کے مطابق اس کے بندوں کے حقوق
ادا نہ کئے تو وہ ہم سے ناراض ہو جائے گا۔
اور اس کے غضب کی ہمیں برداشت نہیں۔

تو جو دوڑ دن کی ہے جس میں حقوق العباد
کی ادائیگی کی طرف بھی ہمیں بہت توجہ دینی پڑتی
ہے اس میں بھی ہماری ذمہ داریاں زیادہ ہیں۔
دوسروں کی نسبت تو ہماری رفتار دگنی نہیں
بلکہ تگنی چارگنی ہو تب کہیں جا کے ہم اپنی ذمہ داریوں
کو ٹھیک طرح نبھا سکتے ہیں میں اپنے اس دورہ
میں یورپ والوں کو بھی کہتا رہا ہوں۔ اور یہاں بھی
میں نے یہ بیان کیا ہے کہ اگلے پچیس تیس سال انسانیت
کے لئے بڑے ہی نازک ہیں ہمارے ایک مبلغ نے
وہاں ایک خواب دیکھی کہ چونسٹھ سال کے بعد وہ
واقعات ہوں گے۔ انہوں نے مجھے خواب لکھی۔ فوری
طور پر میرے ذہن میں یہ تعبیر آئی کہ اللہ تعالیٰ نے
ان کو یہ بتایا ہے کہ جس رفتار سے تم چل رہے ہو اس
سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونسٹھ سال کے بعد وہ
واقعات رونما ہونے والے ہیں۔ حالانکہ ہونے
ہیں جلدی۔ اس لئے اپنی رفتار کو تیز کرو۔

تو ہمیں آہستہ نہیں چلنا ہم نے دوسروں کی
تیزی جتنی تیزی بھی نہیں دکھائی بلکہ ان سے زیادہ
تیز چلنا ہے۔ حقوق اللہ کی ادائیگی کی طرف دوسروں
کا کوئی خیال ہی نہیں۔ حقوق العباد کچھ ادا کئے جاتے
ہیں باقی جو ہیں ان سے غفلت برتی جاتی ہے لیکن
ہماری زندگی غفلت کو برداشت نہیں کر سکتی ہم
نے تو ہر وقت چوکس اور بیدار رہ کر اپنی زندگی کے
دن گزارنے ہیں۔ ہماری رفتار بہت تیز ہونی چاہیئے
اور اس کے نتیجہ میں ہمیں ہلکا پھلکا بھی رہنا چاہیئے
زندگی کے ہر شعبہ میں ہر لحاظ سے (اس وقت وہ
میرے زیر بحث نہیں) بہر حال ہمیں محنت کی عادت
ڈالنی چاہیئے کیونکہ جو بوجھ ہمارے کندھوں پر رکھا
گیا ہے وہ ہم اٹھا نہیں سکتے۔ جب تک ہمیں محنت
کی عادت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو
انگلستان میں میں اللہ تعالیٰ کا ایک نہایت ہی عاجز
بندہ ہوں۔ بہت کمزور ہوں۔ سر درد کے بھی دورے

ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہاں، چونکہ اندر ایک آگ
لگی ہوئی تھی تربیتی امور میں یا تبلیغی کاموں میں مصروف
رہ کے میں قریباً سارا عرصہ ایک اور دو کے
درمیان یا اکثر دو کے بعد سویا ہوں۔ ایک دن ایک
بزرگ مجھے کہنے لگے۔ تھک گئے ہیں آپ ذرا
خیال رکھیں آرام کریں تو میں نے ان کو جواب دیا۔
کہ آرام کی عادت ہی نہیں رہی۔ یہاں گذشتہ رات
میں نے ڈیڑھ بجے کام چھوڑ دیا تھا اور میرا خیال
تھا کہ نسبتاً زیادہ آرام کر لوں گا لیکن جب میں لیٹا تو
مجھے نیند نہ آئی۔ خیر۔ اس طرح مجھے اللہ تعالیٰ
نے دعا کا موقع دیا۔ میں دعا کرتا رہا۔ سویا اپنے
وقت پر ہی اڑھائی اور تین بجے کے درمیان۔ تو
بوڑھا تو نہ میں اپنے آپ کو کہتا ہوں نہ سمجھتا ہوں
لیکن کافی بڑی عمر کا انسان آپ کے مقابلہ میں اتنا
کام کر سکتا ہے تو آپ جو بچے ہیں اور جوان ہیں آپ
کو مجھ سے زیادہ کام کرنے کا شوق اور ہمت ہونی
چاہیئے یہ حقیقت ہے جس کے بغیر ہم اپنے فرائض
کو کما حقہ ادا نہیں کر سکتے۔

پھر دیانت کا ہمیں سبق دیا گیا تھا۔ دیانت
بندوں کے ساتھ جو تعلقات ہیں ان کے لئے بھی
ہے۔ بددیانتی کے نتیجہ میں جھوٹ آدمی بولنے
لگ جاتا ہے۔ جب وہ دیانتداری کے ساتھ اپنے
فرائض نہ ادا کر رہا ہو۔ اور ظاہر یہ کرنا چاہے کہ میں
دیانتداری کے ساتھ
اپنے فرائض ادا کر رہا ہوں اسے جھوٹ بولنا پڑتا
ہے۔ پس جب تک دیانتدارانہ تعلقات آپس کے
نہ ہوں اپنے رب سے نہ ہوں اس وقت تک ہم اپنے
رب کی رضا کو حاصل کیسے کر سکتے ہیں۔

پھر تمہیں سبق دیا گیا تھا۔ خادم نام میں کہ
کسی وقت کبر اور غرور تم میں پیدا نہ ہو بلکہ خادمانہ
ذہنیت اپنے اندر پیدا کرو محض خدمت کرنا کوئی چیز
نہیں انسان کو ایسا ہونا چاہیئے کہ ہر وقت وہ اپنے
آپ کو خادم سمجھتا رہے۔ اس کی باتوں میں، اس کی
طرز میں جب وہ کسی کو مخاطب ہو اس میں کسی قسم
کی بڑائی نظر نہ آئے ہر وقت عاجزانہ راہوں کو اختیار
کرنے والا ہو۔ اور اس عاجزی میں بڑی شان اور
بڑی طاقت ہے۔

زیورک میں ایک بہت بڑے غیر احمدی بیگ
آئے ہوئے تھے [ریسپشن (استقبالیہ) میں ہر ایک اپنی
نظر سے دیکھتا ہے دوسرے کو] وہ چوہدری مشتاق احمد
صاحب کو کہنے لگے کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے
ایک مقام عطا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ وہ بڑا
اونچا مقام ہے۔ لیکن جس وقت ہم آپس میں بیٹھے
اور باتیں کیں تو بالکل یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کوئی
بزرگ یا کوئی بلند مقام والا آدمی ہم سے باتیں
کر رہا ہے۔ اس طرح بے تکلفی کے ساتھ، اخوت
اور برادرانہ رنگ میں ہم سے باتیں ہو رہی تھیں۔
اور اس چیز نے مجھ پر بڑا اثر کیا۔
ان کو کیا معلوم کہ جو شخص اپنے رب کی معرفت

(باقی ص ۲۰ پر)

ایک خادم بھائی کی افسوسناک وفات

قائد صاحب ضلع لائل پور نے چک ۱۹۵ ر ب جھنڈانوالہ کے ایک خادم ممتاز احمد صاحب شاکر سے متعلق رپورٹ دی ہے کہ خادم موصوف جو ستیانہ بنگلہ میں بطور ڈرائنگ ماسٹر ملازم تھے سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ ۱۹۶۷ء میں شرکت کے لئے ربوہ آنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جب وہ ستیانہ بنگلہ سے سائیکل پر اپنے چک پہنچنے کے لئے روانہ ہوئے تا دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اجتماع میں شرکت کے لئے روانہ ہو سکیں تو گتی سٹیشن سے آگے ایک ریلوے پھاٹک پار کرتے ہوئے شاہین ایکسپریس تلے آکر شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مرحوم نہایت مخلص نوجوان تھے۔ سلسلہ کے ساتھ سچا عشق رکھتے تھے۔ ان کی وفات جہاں گاؤں کی جماعت کے لئے بہت بڑا نقصان ہے وہاں والدین کے لئے بھی ایک سانحہ عظیمہ ہے کیونکہ مرحوم سات بہنوں کے واحد بھائی اور والدین کے اکلوتے بیٹے اور بڑھاپے کا سہارا تھے۔

ادارہ خالد مکرم ممتاز احمد صاحب شاکر مرحوم کے والدین اور دیگر سب رشتہ داروں سے اظہار تعزیت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کا حافظ و ناصر ہو اور صبر جمیل کی توفیق دے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

(ادارہ)

احمدی بچوں کے لئے خوشخبری۔

ایسے بچے جو رسالہ تشحیذ الاذہان پڑھنے کا بہت شوق رکھتے ہیں لیکن اس کی خریداری کی استطاعت نہیں رکھتے وہ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ ۳۰۰ کی تعداد تک رسالہ رعایتی شرح پر جاری کرنے کا فیصلہ ہوا ہے۔ جو بچے خواہشمند ہوں وہ اپنی مجلس کے قائد خدام الاحمدیہ کی تصدیق سے درخواست بھجوا کر ۵/- روپے کی بجائے صرف تین روپے منیجر تشحیذ الاذہان کے نام منی آرڈر بھیج کر سال بھر کے لئے اپنے پسندیدہ رسالہ کے خریدار بن سکتے ہیں۔ یہ رعایت چونکہ ۳ سو کی تعداد تک ہو گی اس لئے جن بچوں کی طرف سے درخواست اور رقم پہلے وصول ہو گی ان کو ترجیح دی جائے گی۔ والدین کو بھی جو اپنے بچوں کی اچھی تربیت کے خواہاں ہوں اس رعایت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

(مہتمم اشاعت خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

قائدین کرام توجہ فرمائیں!

مجلس خدام الاحمدیہ کے سال رواں کا دوسرا مہینہ گزر چکا ہے لیکن بہت سی ایسی مجالس ہیں جن کی طرف سے ابھی تک چندہ ماہ نومبر بھی مرکز میں نہیں پہنچا۔ قائدین حضرات سے درخواست ہے کہ جلد از جلد ماہ نومبر و دسمبر کا چندہ اور گزشتہ سال کے بقایا جات وصول کر کے مرکز کو ارسال کریں۔ (مہتمم مال خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

ذکر حبیب علیہ السلام کا ایک پہلو[1]

(محترم جناب سید محمود احمد صاحب ناصر نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

عربی زبان میں "بَیْت" کسی چھوٹی سی کوٹھڑی یا عمارت کو کہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں قادیان میں ۳ چھوٹی چھوٹی عمارتیں تھیں جو بَیْت کے لفظ سے معروف تھیں۔ ایک کا نام بیت الذکر، دوسری کا بیت الفکر اور تیسری بیت الدعا کہلاتی تھی۔ اِن تینوں بیوت کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات و کشوف اور آپؑ کی تحریرات میں ہے اور حضور علیہ السلام کی زندگی سے ان کا گہرا اور خاص تعلق ہے۔

بیت الذکر سے مراد وہ چھوٹی سی مسجد ہے جو حضور علیہ السلام کے گھر کے ساتھ ملحق تھی اور جہاں حضورؑ پانچوں وقت نماز ادا فرماتے تھے اور جہاں حضورؑ کی مجلس علم و عرفان جمتی تھی —— اور بیت الفکر سے مراد وہ مختصر سا کمرہ ہے جہاں حضورؑ تالیف و تصنیف کا کام فرماتے تھے حضورؑ کے ایک الہام میں ان دونوں مقامات کا ذکر اِس طرح ہے:-

"ما ودّعك ربّك وما قلى

الم نشرح لك صدرك۔ الم نجعل لك سهولةً في كلّ امرٍ بيت الفكر و بيت الذكر ومن دخله كان آمناً۔

یعنی خدا نے تجھ کو ترک نہیں کیا اور نہ وہ تجھ پر ناراض ہے۔ کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھولا؟ کیا ہم نے ہر ایک بات میں تیرے لئے آسانی نہیں کی؟ کہ تجھ کو بیت الفکر اور بیت الذکر عطا کیا۔ اور جو شخص بیت الذکر میں باخلاص و قصدِ تعبّد و صحتِ نیت و حسنِ ایمان داخل ہوگا وہ سوءِ خاتمہ سے امن میں آجائیگا۔"

اِس الہام کا ترجمہ لکھنے کے بعد حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"بیت الفکر سے مراد اس جگہ وہ چوبارہ ہے جس میں یہ عاجز کتاب کی

---

[1] یہ مضمون مجلس خدام الاحمدیہ لائل پور کی سالانہ تربیتی کلاس میں پڑھا گیا —— (مدیر)

تالیف کے لیے مشغول رہا ہے اور رہتا ہے اور بیت الذکر سے مراد وہ مسجد ہے کہ جو اس چوبارہ کے پہلو میں بیان کی گئی ہے اور آخری فقرہ مذکورہ بالا اسی مسجد کی صفت میں بیان فرمایا ہے جس کے حروف سے بنائے مسجد کی تاریخ بھی نکلتی ہے اور وہ یہ ہے۔

مبارکٌ و مبارِکٌ وکلُّ اَمرٍ مبارکٍ یُجعلُ فیہ۔

یعنی یہ مسجد برکت دہندہ اور برکت یافتہ ہے اور ہر ایک امر مبارک اس میں کیا جائے گا۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم)

تیسرا بیت یعنی بیت الدعا ایک نہایت مختصر سی کوٹھڑی ہے جس میں بمشکل کوئی چارپائی بچھائی جاسکتی ہے۔ یہ حضور علیہ السلام نے خلوت میں خاص دعاؤں اور مجاہدات کے لئے تعمیر کروایا تھا اور حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اس کی تعمیر کا خصوصی مقصد یہ تھا کہ صلیب کا جو زبردست فتنہ عالمگیر طور پر اسلام کے خلاف صف آرا ہے اس کے مقابلہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور خاص دعا کی جائے اور اسلام کی فتح کے لئے خدا کے حضور عرض کیا جائے۔

یہ تینوں چھوٹے چھوٹے بیت۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے تین نہایت رفیع المرتبت پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں اور آپ کی پاک سیرۃ کے تین حصوں کی علامت قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

خدا کے الہام میں مسجد مبارک کو بیت الذکر قرار دیا گیا ہے۔ ذکر کا لفظ عربی میں خدا تعالیٰ کے ذکر پر بھی بولا جاتا ہے اور مومنوں کو نصیحت اور ان کے فرائض کی یاد دہانی پر بھی یہ لفظ قرآن شریف میں استعمال ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مسجد میں نمازوں کی ادائیگی اور نمازوں کے علاوہ ذکر الٰہی بھی فرماتے اور جماعت کے لئے ذکر اور نصیحت کی مجلس بھی اسی مسجد میں لگتی۔ احباب جماعت اور دیگر احباب سے حضور کی ملاقات بیشتر اسی مسجد میں ہوتی۔ جماعت کے انتظامی کاموں کے متعلق فیصلے بھی زیادہ تر اسی مسجد میں طے پاتے۔ جماعتی امور کے بارہ میں مشورے بھی یہیں لئے جاتے اور خدا کے ذکر کو دنیا میں بلند کرنے کی تجاویز بھی اسی مسجد میں طے ہوتیں۔ غرض خدا کا ذکر جو حضور علیہ السلام کی روح تھا اور جماعت مومنین کے لئے ذکر و نصیحت کا سامان جو حضورؑ کا فرض اولین تھا ذکر کی ان دونوں قسموں کا مرکز یہی مسجد تھی۔

بیت الفکر وہ کمرہ ہے جہاں حضور علیہ السلام کے قلم معارف رقم سے براہین احمدیہ جیسی معرکۃ الآراء تصنیف ظہور میں آئی۔ حقیقۃ الوحی جیسی معرفت اور نشانات سے معمور کتاب ظہور پذیر ہوئی۔ اسی چھوٹے سے کمرہ سے عالم عیسائیت کو مقابلہ کا چیلنج دیا گیا۔

امریکہ کو انذار کیا گیا۔ یورپ کو تنبیہہ کی گئی۔ اسلام کی تعلیم کی زبردست خوبیوں کا اعلان کیا گیا۔ قرآن مجید کی نہایت خوبصورت تفسیر لکھی گئی۔ کشمیر میں مسیح کی قبر، عربی زبان کا اُم الالسنہ ہونا، اور باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلمان ہونے کے بارہ میں زبردست تحقیق دنیا کے سامنے رکھی گئی۔ غرض بیت الفکر وہ زبردست ہیڈ کوارٹر تھا جہاں سے کرۂ ارض کے تمام ادیان و تحریکات کے خلاف دلائل و نشانات کی افواج روانہ کی گئیں۔

بیت الدعا وہ مختصر سا کمرہ ہے جہاں حضور علیہ السلام نے اسلام کی فتح کے لئے خدا کی توحید دنیا میں قائم ہونے کے لئے اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے قیام کے لئے نہایت اضطراب اور درد اور رقّت اور سوز و گداز سے دعائیں کیں۔ آپ نے تڑپ تڑپ کر اپنی راتیں اس کوٹھڑی میں خدا کے حضور گزاریں تاکہ صلیب کو شکست ہو اور خدا کا دین دنیا میں قائم ہو۔ اسلام کو پھر عظمت اور سربلندی ملے۔ یہ خلوت کی دعائیں تھیں جن کو دیکھنے والا خدا کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اور یہ وہ دعائیں تھیں جو دنیا کی تاریخ میں ایک ایسا زبردست انقلاب پیدا کرنے والی ہیں جن کی علامات بصیرت رکھنے والے آج بھی دیکھ رہے ہیں۔

الغرض یہ تینوں بیوت علامات ہیں آپ کی سیرۃ طیبہ کے تین پاکیزہ پہلوؤں کے۔ ہم جو آپ کی جماعت میں داخل اور آپ کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں ہمارا بھی فرض ہے کہ حضورؑ کی زندگی کے ان تینوں پہلوؤں کو اپنی زندگی میں اپنائیں مسجد سے گہرا تعلق اور نماز باجماعت کی پابندی کریں۔ اپنے فکر اور قلم سے اسلام کی خدمت اور اشاعت کی کوشش کریں اور اپنی تنہائی کی گھڑیوں میں اسلام کے لئے پُر درد دعا کریں۔ اللہ مجھے اور آپ کو توفیق دے۔ آمین

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ کا خدام سے اہم خطاب

(بقیہ صفحہ ۱۶)

حاصل کر لیتا ہے اس کے لئے سوائے نیستی کے مقام کے اور کوئی مقام باقی نہیں رہتا۔ خود بینی تو بت پرستی ہے۔ مشرک ہے ایسا شخص جو اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے جو شخص توحید پر قائم ہے وہ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتا وہ اپنی حقیقت کو جانتا ہے اور اپنے رب کی طاقت کو بھی پہچانتا ہے۔ اس کے دل اور دماغ میں تکبر اور غرور اور اپنی بڑائی اور اپنے علم کا زعم کس طرح پیدا ہو سکتے ہیں۔

تو ہمیں بنیادی یہ سبق دیا گیا تھا کہ خادم کی حیثیت کو بھولنا مت کیونکہ اس میں تمہارے لئے ساری کامیابیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سب عزتیں اور ساری ہی کامیابیاں عطا فرمائے

(۸ ستمبر ۱۹۶۷ء)

مکرم حیدر علی صاحب ظفر جامعہ احمدیہ ربوہ

عظمتِ قرآن مجید

قرآن مجید خدائے عزّوجلّ کی طرف سے وہ آخری اور اکمل ترین شریعت ہے جو سرورِ کائنات فخرِ موجودات سیّد ولدِ آدم سیّد الاولین والآخرین سیّدالمرسلین والنبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ قرآن مجید ایک عالمگیر کتاب ہے جو کسی ایک قوم یا کسی خاص مُلک کے لئے نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ کیا یہودی، کیا مسیحی، کیا ہندو، کیا پارسی اور کیا زرتشتی سب اس کے مخاطب ہیں۔ پہلی الہامی کتب مختص القوم اور مختص الزمان تھیں مگر قرآن مجید ہر طبقۂ انسانی کے لئے ایک بے نظیر روحانی، جسمانی، تمدنی اور اخلاقی قانون ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

"قرآن سے پہلی سب کتابیں مختص القوم کہلاتی تھیں یعنی صرف ایک قوم کے لئے ہی آتی تھیں چنانچہ شامی، فارسی، ہندی، چینی، مصری، رومی یہ سب قومیں تھیں جن کے لئے جو کتابیں یا رسول آئے وہ صرف اپنی قوم تک محدود تھے دوسری قوم سے ان کو کچھ تعلق اور واسطہ نہ تھا مگر سب کے بعد قرآن شریف آیا جو ایک عالمگیر کتاب ہے اور کسی قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام قوموں کے لئے ہے ..... جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا"

(چشمۂ معرفت)

یہ مقدس کتاب ایک عالم ہے جس میں بنی نوعِ انسان کی تمام مادی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے سامان موجود ہیں اور ایک مذہبی کتاب میں جن امور کا بیان ہونا ضروری سمجھا جا سکتا ہے وہ سب بدرجۂ اتم قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ مسیحِ پاک علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید ہی ہدایت کا بہترین ذریعہ ہے اور نسلِ انسانی کی دنیوی اور اُخروی خوش بختی اور سعادت اسی سے ہی وابستہ ہے۔ اس کا مطالعہ

انسان کے سینہ کو گند سے پاک کر دیتا ہے مسیح زمان مہدی دوران حضرت میرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"تمہاری تمام فلاح اور نجات
کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی
تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو
قرآن مجید میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے
ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت
کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے
آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں
جو بلا واسطہ قرآن تمہیں ہدایت
دے سکے۔" (کشتی نوح)

قرآن حکیم علم اور حکمت کا خزانہ ہے۔ خدائے عزوجل کے نور سے معمور ایک دلربا کان ہے جس کے ہیرے اور جواہرات نہ ختم ہوتے ہیں اور نہ کم۔ تمام ازلی و ابدی صداقتوں کے اس مجموعہ میں علوم و معارف کے بے انتہا خزانے پائے جاتے ہیں جو ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے علوم و فنون اور حقائق و دقائق کا احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے کیونکہ یہ ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ تمام علوم خواہ وہ الٰہیات سے تعلق رکھتے ہوں یا انسان کی روحانی و جسمانی ضرورتوں سے سارے کے سارے اصولی طور پر قرآن مجید میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

جمیع العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ افہام الرّجال

یعنی قرآن مجید تمام علوم کا منبع اور سرچشمہ ہے البتہ لوگوں کی ناقص عقلیں ان کو پانے سے قاصر ہیں۔

قرآن مجید کی ایک شان "فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ" میں بیان کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس میں تمام کتب سابقہ کی تعلیمات حسنہ موجود ہیں اور تمام قائم رہنے والی صداقتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے مضامین ہر قسم کی خوبیوں سے مزین ہیں۔ ان میں جامعیت بھی ہے اور انفرادیت بھی، محکمیت بھی ہے اور تفصیل بھی۔ غرضیکہ ایک اچھے کلام میں جن خوبیوں کا پایا جانا ضروری ہو سکتا ہے وہ سب بدرجۂ اتم قرآن مجید میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے سب مضامین باہم مربوط اور متصل ہیں۔ ان میں ایک حسین توازن، ہم آہنگی اور تنظیم ہے لیکن قرآن مجید کے ان سب علوم و معارف کے حصول کے لئے تقوی اللہ، تزکیۂ نفس اور تطہیر قلب کی ضرورت ہے۔ آیۂ قرآنی لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ اسی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

قرآن کریم کامل تعلیم پر مشتمل ہے۔ اس میں الٰہیات، عبادات، اخلاق، تمدن اور اخروی زندگی سے متعلق ایسی شاندار اور حسین تعلیم موجود ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"قرآن کریم وہ کتاب ہے جس میں وہ

تمام تعلیمیں موجود ہیں جو منسوخ نہیں ہوئیں، کوئی قائم رہنے والی چیز بتایا ہے وہ وید میں ہو، ژند اوستا میں ہو، تورات میں ہو ایسی نہیں کہ وہ قرآن کریم میں موجود نہ ہو اور کوئی سچی یا قائم رہنے والی تعلیم ایسی نہیں جو وید، ژند اوستا، تورات یا انجیل میں موجود ہو اور اس میں حشو مل گیا ہو اور اس کا ازالہ قرآن کریم نے نہ کیا ہو۔" (سیر روحانی جلد سوم صفحہ ۱۴۲)

قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو تمام وجوہ کمال سے افضل الکتب کہلانے کی مستحق ہے۔ اس کا نازل کرنے والا خدا حی و قیوم ہے اور جس قلبِ صافی پر اس کا نزول ہوا وہ دو جہانوں کا سردار صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور پھر بحیثیت ایک کتابِ شریعت کے قرآن مجید مکمل اور محفوظ ہے۔ اس کی تعلیم اعلیٰ اور افضل ہے

بے مثال حفاظت قرآن مجید کا ایک منفرد امتیاز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کتبِ سماویہ میں سے صرف یہی ایک کتاب ہے جو بالکل محفوظ اور دوسروں کی دستبرد سے پاک ہے۔ اگر تمام دُنیا میں تلاش کریں تو قرآن مجید جیسا خالص اور محفوظ کلام الٰہی کہیں نہیں مل سکتا۔ غرضیکہ یہ ایک ایسی الہامی کتاب ہے جو آغازِ نزول سے لے کر اب تک اپنی اصل شکل میں موجود ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ اس کی حفاظت خدا تعالیٰ نے خود ہمیشہ کے لئے اپنے ذمہ لے رکھی ہے جیسے فرمایا:-

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○

(الحجر: ۱۰)

یعنی اس ذکر (قرآن مجید) کو ہم نے ہی اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید کے علوم و معارف اور محامد کا بیان بہت تفصیل چاہتا ہے۔ اس مضمون میں صرف اس کا ایک مختصر خاکہ پیش کرنا مقصود تھا۔ اور اس مضمون سے قرآن کریم کی عظمت کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کے ان اوصافِ حمیدہ پر بزار دل سے عاشق ہو کر ہی مسیحِ زمان حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے فرمایا تھا ؎

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چُوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

مکرم مبشر احمد صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل بی
رکن مجلس خدام الاحمدیہ پشاور یونیورسٹی

ضرورت مذہب

مذہب کی ضرورت کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے اکثر اوقات افراط و تفریط سے کام لیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے مفکرین مذہب کی مخالفت اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ نہ صرف بے سُود بلکہ زندگی کے لئے خطرناک بھی ہے۔ اور پھر دوسری جانب بڑے بڑے خود ساختہ مذہبی راہنما مذہب کی ضرورت کچھ اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ اگر ان کی باتوں کو مانا جائے تو نتیجہ فتنہ و فساد کے سوا کچھ نہیں نکلتا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ مذہب کے نام پر ہی شر و فساد کی بنیاد کھڑی کرتے ہیں۔ پہلی قسم کے مفکرین میں ہمیں کارل مارکس اور برٹرنڈ رسل جیسے جیّد مفکر اور فلاسفر شامل نظر آتے ہیں اور دوسری قسم کے لیڈروں میں ایسے تمام حضرات کا نام لیا جاسکتا ہے جو اپنی ذاتی اور محض سیاسی اغراض کی خاطر مذہب کو حصولِ مقصد کا ذریعہ اور آلۂ کار بناتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ مؤخر الذکر طبقہ کے لوگوں ہی نے مذہب کو اس قدر بدنام کیا ہے کہ اوّل الذکر قسم کے لوگ پیدا ہوگئے ہیں۔ اگر مذہب کی خاطر انسانوں کو باہم اور متواتر فسق و فجور پر مجبور نہ کیا جاتا اور قتل و غارت کے بازار گرم نہ کئے جاتے اور انسان کو انسان کے خون کا پیاسا نہ بنایا جاتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ برٹرنڈ رسل یہ کہنے پر مجبور ہوتا کہ "ظلم اور مذہب ہمیشہ ہاتھ میں ہاتھ دیکر چلتے رہے ہیں"۔ اور اگر مذہب کو ترکِ دنیا اور مُردہ پرستی کا سب سے بڑا ذریعہ نہ بنایا جاتا تو پھر کارل مارکس کبھی مذہب کو افیون سے مشابہت نہ دیتا۔

پس مذہب کی ضرورت بیان کرنے سے پہلے لازمی ہے کہ "مذہب" کا صحیح تصور پیش کیا جائے اور جن غلط تصورات کی بنا پر لوگ مذہب کی ضرورت سے انکار کرتے ہیں ان کو توڑا جائے۔

عام طور پر "مذہب" کے نام ہی سے یہ تصور قائم کر لیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرنا بعض مخصوص قسم کی عبادات بجا لانے کا نام ہے جن میں انسان ایک اَن دیکھی، اَن سمجھی خوفناک سی ہستی کے آگے گرتا ہے اور اپنے تحفظ کی خواہش کا اظہار کرتا ہے یا یہ کہ بعض روایات و رسومات کو بے سوچے سمجھے اپنا لینا مذہب ہے جن کی پابندی ایک انسان ایک مخصوص معاشرے میں آنکھیں کھولنے کی وجہ سے بوجہ مجبوری یا بزورِ عادت کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ رسم و رواج یا

عبادات انسان کو اُس کی اپنی طبیعت کے خلاف صرف بیرونی دباؤ کے تحت ادا کرنی پڑتی ہیں۔ مگر یہ سارے تصوّرات غلط ہیں اور اِس غلطی کی وجہ یا تو یہ ہے کہ کسی مسخ شدہ مذہب کا مطالعہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے اور یا یہ کہ صحیح مذہب کو تعصب یا کم علمی کی بناء پر صحیح طور پر سمجھا نہیں گیا۔

مذہب سے مراد تو زندگی کا ایک ایسا مکمل ضابطہ ہے جس پر عمل کر کے انسان انتہائی خوشحالی اور انتہائی کمال کے مقام کو حاصل کر سکے۔ اور یہ عمل خود فرد وملت کی داخلی دنیا کا بھی آئینہ دار ہوتا ہے انسان کسی دباؤ کے بغیر خود دلی خوشیوں کے ساتھ اِس راہ پر قدم زن ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی کے تمام شعبے نہ صرف اِس سے متاثر ہوتے ہیں بلکہ اسی کے بتائے ہوئے اصولوں کے تحت ڈھل جاتے ہیں۔ انسان نہ صرف خود اپنی حقیقت سے روشناس ہو جاتا ہے بلکہ اپنے ساتھی انسانوں کے بھی تمام حقوق اور تمام انسانوں کے حقیقی خالق و مالک کے حقوق کو بھی ادا کرتا چلا جاتا ہے۔

مذہب کے اِس تصوّر کے پیشِ نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ مذاہب میں سے تمام کے تمام اپنی موجودہ حالت اور اختلاف کی وجہ سے بیک وقت مکمل طور پر درست نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے اگر ایک مکمل اور صحیح ہو تو ان کے باہمی اختلافات خود بخود دوسروں کے بطلان کا ثبوت بن جائیں گے۔ اس لئے ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ مذہب کی وہ تمام اشکال جو اِس زمانہ میں ہمارے سامنے موجود ہیں مکمل طور پر درست ہیں اور انہیں مان لینا چاہیئے۔ ہم صرف یہ کہیں گے کہ مذاہب کی تمام صورتوں میں سے جو صورت بھی مندرجہ بالا خصوصیات کی حامل ہو اسے قبول کرنا چاہیئے اور اس کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک سچے مذہب کو پہچاننا ناممکنات میں سے نہیں، اگر سچّا اور صحیح مذہب معلوم ہو سکے تو پھر اس کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھنا بھی آسان ہو جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں بتایا ہے کہ ایک سچّا مذہب عقلی دلائل سے پہچانا جا سکتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ:۔

"سچا مذہب صرف عقل کا دریوزہ گر
نہیں ہوتا کہ یہ اس کے لئے عار ہے
اور اس سے شبہ گزرتا ہے کہ
عقلمندوں کی باتیں چُرا کر لکھی ہیں
کیونکہ دنیا میں عقلمند تھوڑے
نہیں گزرے۔ بلکہ وہ علاوہ عقلی
دلائل کے مذہب کی ذاتی خاصیت
بھی پیش کرتا ہے جو آسمانی
نشان ہیں اور یہی سچے مذہب کی
حقیقی علامت ہے"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۳۶-۳۷)

پس جو مذہب ہر دو طرح سے اپنی سچائی ثابت کر سکے، اس سے انکار کی کوئی گنجائش قطعی طور پر نہیں رہتی اور اس کی ضرورت روشن آفتاب کی

کی مانند ہمیں نظر آنے لگتی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ
چونکہ اب روئے زمین پر اسلام ہی مکمل ترین مذہب
ہے اور اس کی صحیح صورت وہ ہے جو جماعت احمدیہ دنیا
کے سامنے پیش کرتی ہے اس لئے ضرورت مذہب سے
متعلق تمام دلائل ہم اسی مکمل اور صحیح تصور کو مدنظر
رکھ کر دیتے ہیں۔

ایک سچے اور مکمل مذہب کی ضرورت سب سے
پہلے تو اس لئے ہے کہ وہ ہمیں ایک صحیح اور اکمل مقصدِ
حیات عطا کرتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے
کہ اس کے سامنے ایک مقصدِ حیات ہونا چاہیئے۔
اس کے بغیر زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارنا ناممکن ہے
دنیا میں بے مقصد زندگی سے زیادہ بڑی کوئی لعنت نہیں
ہو سکتی۔ اسی لئے دنیا کے تمام کاروبار اور انسانی
تاریخ کی تمام تحریکیں اپنے سامنے ایک مخصوص مقصد
لے کر آگے بڑھتی ہیں۔ اب مقاصد کی نوعیت اور
افادیت مختلف ہوتی ہے اس لئے جو طرزِ زندگی
اور جو تحریک عظیم ترین مقاصد اور مفید ترین منازل
کو پیش نظر رکھے وہی سب سے زیادہ اہم ہو سکتی ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں مذہب کی صحیح تعریف
کے ضمن میں یہ بات سامنے آچکی ہے کہ مذہب ایک
مکمل ضابطۂ حیات کا نام ہے جس کا مقصد انسان
کو انتہائی خوشحالی اور انتہائی کمال کے مقام تک
پہنچانا ہے۔ اس لئے اگر مذہب انسان کو انتہائی
خوشحالی اور کمال تک پہنچا سکتا ہو تو پھر اس کی
ضرورت پورے زور کے ساتھ ثابت کی جا سکتی ہے۔

مذہب کی قائم کردہ اس آخری منزل تک رسائی ممکن
ہے یا ناممکن —— اس کا ثبوت ہمیں مذہب قبول
کرنے والوں کی زندگی میں بھی مل سکتا ہے۔ اور یہ
ایک حقیقت ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا ضابطۂ
حیات ہے جس کو اپنا کر انسان اس منزل تک پہنچ
سکتا ہے اور عملاً پہنچ چکا ہے۔ انسان کی سب سے
زیادہ خوشی اور سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ خود
انسان اپنے خالق سے ہمکلام ہو اور اس کا باوفا
دوست بن جائے، اس کا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں
آجائے۔ جسے یہ خزانہ مل گیا اُسے کسی دوسرے
در پر جانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اور جب
اسلام ہمیں یہ عظیم الشان نعمت عطا کر سکتا ہے تو
پھر اس سے بڑی کوئی دوسری دلیل نہیں ہو سکتی جو
مذہب کی ضرورت ثابت کر سکے۔ احکام خداوندی
کی پوری پابندی کرنے والے ہر زمانہ میں اس بات
کے دعویدار رہے ہیں کہ انہیں خدا ملا ہے، اور
آئندہ زمانوں میں بھی اس نعمت کے حصول کے
دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔

مقصدِ حیات کو پا لینے کے ساتھ ساتھ انسان
ہمیشہ تہذیب و تمدن کا خواہاں رہا ہے۔ حضرت
المصلح الموعود رضی اللہ عنہ دیباچہ تفسیر القرآن
(انگریزی) میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"میرے نزدیک تمدن ایک
خالص مادی نقطۂ نگاہ ہے۔ مادی
ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی اعمال

ہیں جو یکسانیت اور سہولت پیدا
ہو جاتی ہے وہ میرے نزدیک
تمدن کہلاتی ہے۔" (دیباچہ صفحہ ۲۲)

انسان اپنی روزمرہ زندگی میں ہر قسم کی سہولتیں چاہتا ہے اور ایک متوازن معاشرہ قائم کرنا اس کا "آئیڈیل" (مقصد) رہا ہے۔ مذہب اس مقصد کے حصول کے لئے بھی انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ہزار ہا تمدنی اور معاشرتی مسائل ایسے ہیں جن کا حل ہمیں مذہب ہی بتاتا ہے۔ انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک قدم قدم پر مادی ضروریات درپیش رہتی ہیں۔ ان کا صحیح اور بہترین استعمال کہاں اور کیونکر ہو سکتا ہے اس کے لئے مذہب مکمل راہنمائی کرتا ہے۔ انسانی معاشرے میں خوراک۔ لباس اور رہائش کے مسائل بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ مذہب اس بارے میں پوری پوری راہنمائی کرتا ہے کہ ہمیں کیا اور کتنا کھانا چاہیئے۔ کس قسم کا لباس پہننا چاہیئے اور رہائش کس طرز سے اختیار کرنا چاہیئے۔ جب معاشرہ میں رہ کر انسان دیگر انسانوں کے حقوق ادا کرنے کا پابند ہو جاتا ہے تو تہذیب و تمدن کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور پھر ان تعلقات کو نبھانا بہت مشکل کام ہے۔ اگر مذہب اس بارہ میں انسان کی راہنمائی نہ کرتا تو انسان نے کبھی کا خود کو تباہ کر لیا ہوتا۔ آج بھی وہ معاشرے اور ممالک جو صرف اور صرف انسانی عقل کے زور پر اپنی تہذیب و تمدن کے محلات تعمیر کرنے میں مصروف ہیں۔ اس بات کے معترف ہیں کہ کسی وقت بھی یہ محلات خاک میں مل جائیں گے اور انہیں اندرونی و بیرونی خطرات سے ایک لمحہ کے لئے بھی چھٹکارا نصیب نہیں۔

انسانی معاشرے میں اخلاق کا قیام بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مذہب اس بارہ میں بھی مکمل راہنمائی کرتا ہے۔ مذہب انسان کے فطری جذبات کو کچلے بغیر ان کے صحیح استعمال کی راہ دکھاتا ہے۔ اور کس ماحول میں کس رنگ میں انسانی جذبات کا اظہار کیا جائے۔ مذہب نہایت اعلیٰ طریقہ سے ہمیں یہ سمجھاتا ہے۔ جب تک ایک زندہ اور قادر خدا پر مکمل ایمان نہ ہو۔ انسان اپنے نفسانی جوشوں اور بھڑکتی ہوئی خواہشوں اور سفلی جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ یہ ایمان کی آگ ہی ہوتی ہے جو ہر قسم کے گندے خیالات اور حیوانی جذبات کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔ اور انسان کو مناسب حال اعمال کی بجا آوری اور عقل کے صحیح استعمال کے قابل بناتی ہے۔ جب عقل کے ماتحت انسان کے نفسانی اور سفلی جوش آجائیں۔ تو وہ ایک با اخلاق انسان بن جاتا ہے اور اسلام ہمیں نہ صرف یہ خوبی عطا کرنے کا دعوےٰ کرتا ہے بلکہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ کس طرح عرب کے وحشی قبائل دیکھتے ہی دیکھتے با اخلاق اور باخدا انسان بن گئے اور جس جس نے اس مذہب کو صحیح طور پر اپنایا وہ اخلاقی طور پر ترقی کے انتہائی بلند مقامات پر جا پہنچا۔ آج اگر تمام دنیا میں جماعت احمدیہ کے با اخلاق ہونے کا چرچا ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ انہیں ایک صحیح مذہب پر صحیح طور سے کاربند ہونا نصیب ہوا ہے

انفرادی اور معاشرتی ضروریات کو پورا کرنے کے علاوہ مذہب ہمیں ایسی نعمتیں بھی عطا کرتا ہے۔ جنہیں ہم ملّی اور بین الاقوامی کہہ سکتے ہیں۔ ایک عظیم ملّت کا قیام ۔ جو کہ باہمی محبت اور اتحاد کے جذبہ سے سرشار ہو۔ جو مظلوموں کو ظلم سے نجات دے سکے۔ اور ظالموں کو سزا دے سکنے کی طاقت رکھتی ہو۔ آجکل کے زمانے ہی کی نہیں بلکہ شروع ہی سے ہر زمانے کی ایک انتہائی بڑی ضرورت رہی ہے۔ دو عالمگیر جنگوں نے اس بات کی اہمیت کو انسانوں کے دلوں میں بٹھا دیا ہے۔ مگر اس کے حصول کا صحیح طریق ابھی تک اختیار نہیں کیا جا سکا۔ کیونکہ ابھی تک اقوام خود ساختہ قوانین کی پابندی ہی سے اِس مرحلہ کو طے کرنے کا خواب دیکھ رہی ہیں۔ مگر اب ہر ایک ہوش مند محسوس کرنے لگا ہے کہ یہ بین الاقوامی ادارے جن اصولوں پر بنائے گئے ہیں وہ مکمل طور پر تسلّی بخش نہیں۔ قوموں کے حقوق تلف ہو رہے ہیں اور ظالموں کے ہاتھ میں قاتل خنجر ابھی تک خون آلودہ ہے۔ اور کسی کی ہمت نہیں جو ظالم کا ہاتھ روک سکے۔ جب تک ایک صحیح اور سچے مذہب کی پیروی کئے بغیر قیام امن عالم کی کوششیں کی جاتی رہیں گی وہ ناکام رہیں گی۔ روس اور امریکہ کے جٹ جہازوں کے گروہ کے گروہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں سے لیس رات دن آسمان میں گردش کرتے رہینگے اور کسی بھی لمحہ ایک ہولناک اور تباہ کن جنگ کا خطرہ ساری انسانیت کے سر پر منڈلا رہا ہے گا۔ آج زمانے کو ایک سچے مذہب کی جس شدت سے ضرورت ہے اس سے پہلے بھی محسوس نہ کی گئی تھی۔ اور وقت آ گیا ہے کہ تمام روئے زمین پر بسنے والوں کو امن اور خوشحالی کی زندگی گزارنے کے لئے ایک سچا مذہب اختیار کر لینا چاہیئے۔

اس ضرورت کے وقت میں اللہ تعالیٰ نے مسیح پاک علیہ السلام کو دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا اور آپ نے اعلان فرمایا کہ ؎

میں وہ پانی ہوں جو آیا آسمان سے وقت پر
میں ہوں وہ نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

آج جماعت احمدیہ صحیح اسلام یعنی احمدیت کی شکل میں لائے ہوئے مسیح پاک علیہ السلام کے اس پیغام کو ہاتھ میں لے کر ساری دنیا کو یہ دعوت دے رہی ہے کہ ؎

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

حسنِ عمل

کتنی ناپائدار ہے یہ حیات
کیا سبک گام عمرِ انساں ہے
اِک اسی زیست میں یہ حسنِ عمل
پائداری کا راز پنہاں ہے

(امین اللہ خان سالک)

مکرم اقبال احمد صاحب نجم
نائب مہتمم تحریک جدید

سادہ زندگی

اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور صاحب ارادہ پیدا فرمایا ہے لیکن انسان اپنی خود ساختہ "ضروریات اور اپنی نفسانی خواہشات کے طوق اپنی گردن میں ڈال کر ان کا غلام بن جاتا ہے یہ طوق اسے اس کے عظیم مقاصد سے غافل کر دیتے ہیں۔ اور اگر وہ بروقت اصلاح نہ کرے تو ارذل المخلوقات بن جاتا ہے۔ اگر انسان کے پیش نظر یہ رہے کہ وہ خدا کی محبت کے حصول اور اس کے لئے کوشش اور جدوجہد کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو ناممکن ہے کہ وہ زرق برق لباس۔ عمدہ عمدہ کھانوں اور آسمان سے باتیں کرنے والی کوٹھیوں کی تمنا کرے۔ چاندی، سونے کی چکاچوند اس کی آنکھوں کو کبھی خیرہ نہ کر سکے گی۔ لعل و جواہر اور سکوں سے بھری تجوریاں اس کے لئے معمولی پتھروں کے انبار کے سوا کچھ حیثیت نہ رکھیں گی بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی محبت میں سرگرداں ہر دم یہ نعرہ لگاتا ہوا پایا جائے گا "الفقر فخری" (حدیث) کہ مجھے اپنی غربت اور سادگی پر فخر ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے راہ سلوک کے کٹھن اور دشوار مقام آن واحد میں طے ہو جاتے ہیں۔ ہمارے پیارے آقا سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

"کُن فی الدّنیا کانّک غریبٌ او عابرُ سبیلٍ"

تو دنیا میں اس طرح قیام کر گویا کہ تو مسافر ہے یا راہ گزرنے والا ہے"۔ جس طرح مسافر کچھ دیر کے لئے طاقت اور ہمت کو یکجا کرنے اور نیا عزم لے کر دوبارہ اپنا سفر شروع کرنے کے لئے کسی گھنے سایہ دار درخت تلے رُکتا ہے۔ اور کبھی آرام کرتا ہے۔ کبھی چشمہ سے چلّو بھر پانی بھی پیتا ہے۔ لیکن اس منزل کو اپنا گھر نہیں سمجھتا اور نہ اس جگہ سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بندے کو گزر اوقات کرنی چاہیئے کہ اس دنیا اور دنیا کی زیبائشوں سے دل نہ لگائے بلکہ سادہ زندگی اختیار کرے اور سادگی سے ایک سچے سالک کی طرح اپنی عمر کے دن گزار دے۔ جس طرح مسافر اپنے ہمراہ اشد ترین ضروری اشیاء رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ کم سے کم بوجھ ہو تا آسانی سے سفر طے کر سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو بھی دنیاوی علائق سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے دنیا میں اتنی دلچسپی نہیں لینی چاہیئے کہ اس سے دل لگا بیٹھیں بلکہ آخرت کے لئے زادِ راہ اکٹھا کرنا چاہیئے۔ اور آخرت کے لئے بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"تقویٰ اختیار کرو ...... اور اپنے مولا کی طرف منقطع ہو جاؤ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو۔ اور اسی کے ہو جاؤ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو ...... نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو۔ اس سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔"

(کشتی نوح)

ایک دفعہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان تشریف فرما تھے۔ اور صحابہ آپس میں دنیا کی آسائشوں اور کثرت اموال کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے آپ بھی ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے اچانک فرمایا۔ اَلَا تَسْمَعُوْنَ؟ اَلَا تَسْمَعُوْنَ؟ اِنَّ البذاذۃ من الایمان۔ اِنَّ البذاذۃ من الایمان۔ کیا تم سنتے نہیں۔ کیا تم سنتے نہیں کہ دنیا کی زینت کو ترک کرنا۔ اور زہد و سادگی اختیار کرنا ایمان کی علامت ہے۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں اور آپ کے پاک نمونہ کی وجہ سے صحابہ کی زندگیوں میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ باوجود امارت اور فراخیٔ رزق کے ان کی معاشرت نہایت سادہ تھی۔ ظاہری لباس کی وجہ سے یہ پتہ نہ لگتا تھا کہ ان کا دنیاوی لحاظ سے رتبہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ مدائن کے گورنر تھے لیکن نہایت سادہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔ ایک دفعہ بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک شخص نے بازار سے گھاس خریدی تو انہیں مزدور سمجھ کر گٹھڑ اُن کے سر پر لاد دی۔ کسی واقف نے دیکھا تو اس سے کہا کہ یہ تو ہمارے امیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ اس پر وہ نادم ہوا معذرت چاہی اور گٹھڑ کو اتارنے کے لئے لپکا مگر آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ نے فرمایا "نہیں، کوئی بات نہیں اب تو میں تمہارے مکان پر پہنچ کر ہی اتاروں گا۔"

(طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمان فارسیؓ)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صحابہ کی سادگی ان کی تنگ دستی کی وجہ سے تھی۔ یہ خیال پوری طرح صحیح نہیں ہے۔ ایک وقت میں مال کی قلت بھی سادگی کا باعث تھی لیکن بعد میں اموال آنے پر بھی صحابہ کرامؓ نے سادگی کو ہی اپنا شعار بنائے رکھا۔ چنانچہ اسلامی جنگوں کے بعد جب روم و ایران کی فتوحات ہوئیں تو اموال کی بڑی کثرت تھی جیسا کہ حضرت سلمان فارسیؓ کی مثال سے ظاہر ہے۔ صحابہ کو مختلف علاقوں کا گورنر مقرر کیا گیا تھا اور وہ جہانبانی کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ لیکن اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن ان کے پیش نظر رہتا تھا۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت حفصہؓ نے اپنے بزرگ والد حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپ کی خوراک بہت سادہ ہے اور لباس بھی ناکافی ہے۔ اب تو خدا تعالےٰ نے فراخی عطا فرمائی ہے۔ آپ بہتر غذا اور اچھے کپڑے

استعمال کیا کریں۔ آپ نے یہ سُن کر جواب دیا" خدا کی قسم میں تو اپنے آقاؐ کے نقشِ قدم پر ہی چلوں گا۔ خواہ کتنی خوش حالی ہی نصیب ہو جائے۔" اس کے بعد آپ دیر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی اور عسرت کا تذکرہ فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت حفصہؓ بے قرار ہو کر رونے لگیں۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۹)

یہ کیوں نہ ہوتا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی کھجور کی بنی ہوئی چٹائی پر ہی استراحت فرمایا کرتے تھے اور چٹائی کی سختی کی وجہ سے آپ کے جسم مبارک پر اس کے نشان پڑ جاتے تھے۔ صحابہ نے آپ کی سہولت کے پیش نظر نرم بستر بنانے کی اجازت چاہی تو منع فرمایا اور سمجھا دیا کہ ؎

دنیا بھی اک سرا ہے بچھڑے گا جو ملا ہے
گر سو برس رہا ہے آخر کو پھر جدا ہے
اے دوستو پیارو عقبیٰ کو مت بسارو
کچھ زادِ راہ لے لو کچھ کام میں گزارو

(مسیح موعودؑ)

ابتدائی زمانہ میں آپؐ کے گھر میں تین تین ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی۔ پانی اور کھجوریں کھاتے ہوئے گزارہ کرتے تھے۔ اور کبھی دو وقت پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھائی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں چکی کا باریک پسا ہوا آٹا لایا گیا تو اس کا لقمہ گلے میں اٹک گیا اور زمانۂ نبوی کو یاد کر کے رونے لگیں اور فرمانے لگیں ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پتھروں سے جو کوٹا کرتی تھیں اور پھونکوں سے جو بھوسی اُڑتی اُڑا دیتی تھیں اور اسی سے موٹی موٹی سیاہ رنگ کی روٹی پکا دیتی تھیں۔ کاش یہ سفید اور باریک آٹا حضورؐ پاک کے وقت میں میسر ہوتا!!

یہ تھا ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اور بزرگوں یعنی جلیل القدر صحابہ کا طریق! اور آج اس زمانہ میں جب کہ اسلام کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کے لئے مالی، جانی اور قلمی ولسانی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ ہمارا فرضِ اولین ہے کہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہؓ کرام کی طرح اپنا کر اسلامی جہاد میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔ اور مالی قربانیوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائیں تا اسلام کو جلد از جلد سربزی حاصل ہو۔ اس کے لئے اپنے اخراجات میں کمی کر کے بچت کا طریق اختیار کرنا پڑے گا۔ اور یہ بچت سادہ زندگی کے بغیر ناممکن ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"سادہ زندگی کی تحریک کوئی معمولی نہیں بلکہ وہ اصل دنیا کے آئندہ امن کی بنیاد اسی پر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو شخص سادہ زندگی اختیار نہیں کرتا وہ احمدی نہیں۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ وہ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّار ہے۔ بالکل ممکن ہے اس کا ایمان ضائع ہو جائے۔"

(خطبات جمعہ ۹ر اکتوبر ۲۶ر مئی ۱۹۳۶ء)

پس نوجوانانِ احمدیت! بیدار ہو جائیے انقلاب

تہذیب و تمدن کی صف اس طرح لپیٹ دیجئے کہ پھر کبھی یہ شیطانی طلسم لوگوں کو دھوکہ نہ دے سکے۔

قرونِ اولیٰ کی یادوں کو تازہ کیجئے اپنے عمل سے، اپنے لباس سے اپنے کردار سے، اپنی گفتار سے۔ آپ کی نشست و برخاست میں اسلامی سادگی کی روح جھلک رہی ہو۔ قناعت ہو تواضع ہو حلم ہو بردباری ہو۔ دیکھنے والے دیکھیں کہ آپ کی زندگیاں سادگی کا مرقع اور اسلام کا ایک قابلِ تقلید نمونہ ہیں۔ خدائے عرش نے ایک نئی زمین اور ایک نئے آسمان کی تخلیق مقدر کر دی ہے جو اسلامی تہذیب و تمدن کے قیام کے ساتھ وجود میں آئے گی۔ جب تک باطل تہذیبوں اور شیطانی رسم و رواج کے رعب و دبدبہ کا بھوت دنیا کے سر سے نہیں اترے گا اس وقت تک یہ عظیم الشان کام جو آپ کے سپرد خدا کے مسیحؑ کے ذریعہ سے کیا گیا ہے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھوت اپنی صرف اور صرف سادہ معاشرت اور نیک نمونہ کے ذریعہ سے اتارا جا سکتا ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ بھوت آپ کے سروں پر بھی منڈلاتا رہا تو سوچئے کہ آپ ان تمناؤں اور امیدوں کو کس طرح پورا کر سکیں گے جو آپ سے وابستہ کی گئیں ہیں۔ یہ ہم سب کے لئے سوچنے کا موقع اور حقیقتاً ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا تھا کہ "زندگی کے فیشن سے بہت دور جا پڑے ہیں"۔ اس پر فرمایا "زندگی کی اصل غرض اور مقصود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ مگر اس وقت میں دیکھتا ہوں کہ عام طور پر لوگ اس غرض اور مقصود کو فراموش کر چکے ہیں اور کھانے پینے اور حیوانوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے سوا اور کوئی مقصد نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا کو پھر اس کی زندگی کی غرض سے آگاہ کرے"۔

اسی طرح آپ فرماتے ہیں۔ "غفلت اور عیاشی کی زندگی کو خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے..... رنگ رلیوں میں رہنے سے آخر خدا کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے"۔

(ملفوظات جلد ہشتم ص ۳۶۲ و ۴۴۲)

اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے صحیح فیشن کو اختیار کرنے کی توفیق دے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے اختیار فرمایا تھا۔ آمین

کب اور کیسے ـــ؟

(بقیہ از صفحہ ۳۸)

جو کچھ آپ کھاتے ہیں اس سے خلیوں کو بھی قوت پہنچتی ہے۔ خلیے غذا حاصل کر کے بڑھتے ہیں اور خلیوں کی تعداد بڑھنے لگتی ہے۔ خلیوں کو اب زیادہ جگہ کی ضرورت پڑتی ہے، آپ کا جسم بھی بڑھتا رہتا ہے۔

۶۔ ہم ذائقہ کیسے محسوس کرتے ہیں؟

شاید آپ سمجھتے ہوں کہ آپ صرف منہ سے ذائقہ محسوس کرتے ہیں۔ ذائقہ کا زیادہ تر تعلق ہماری زبان سے ہے۔ یہ کام خاص قسم کے خلیے انجام دیتے ہیں جو ہماری زبان پر چھائے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ صرف چار ذائقے پہچانتے ہیں، میٹھا، کھٹا، نمکین اور کڑوا۔ ان کے علاوہ آپ اپنی سونگھنے کی قوت سے بھی بہت سے ذائقے پہچان لیتے ہیں۔

مکرم محمد عزیز صاحب گجراتی

منگلا ڈیم — دنیا کا دوسرا سب سے بڑا بند

منگلا ڈیم جس کا حال ہی میں صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے افتتاح فرمایا ہے پاکستانی قوم کے لئے قابلِ فخر ہے۔ یہ عظیم الشان بند لاہور کی شاہی مسجد، آگرہ کا تاج محل اور اہرامِ مصر کی طرح انسانی مہارت اور فنِ تعمیر کی منہ بولتی تصویر ہے جس طرح یہ بند ملک کے تابناک مستقبل کا عکاس ہے بعینہٖ اس کا ماضی بڑا دلچسپ حیرت انگیز اور افسانوی رنگ لئے ہوئے ہے۔ منگلا کا لفظ ہی ایک طلسم، دلکشی اور حسن کا حامل ہے جس کے گرد متعدد مقامی لوک کہانیوں کا تانا بانا بُنا گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دریائے جہلم کے پہاڑوں کی چوٹیوں میں "بوما نگو سولو" نامی ایک دیوی ہوا کرتی تھی جو لوگوں کی مرادوں کو پورا کرتی تھی۔ حاجت مند لوگ اس کے مندر میں جاتے تھے اور دعا مانگتے تھے۔ قدیم تاریخی کتب میں اس علاقے کو راجہ ابھی سار کی مملکت کا حصہ ظاہر کیا گیا ہے جس نے آخر کار سکندرِ اعظم کی آمد پر اس عظیم فاتح کی باجگزاری قبول کر لی تھی۔ مختلف حملہ آوروں کی آمد سے یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا گیا تھا جو بعد میں سکھوں کی تحویل میں چلا گیا۔ یہ قلعہ آج بھی اس دور کی یاد تازہ کر رہا ہے۔

منگلا بند سندھ طاس منصوبہ کی ایک کڑی ہے اور اسے دنیا کے عظیم بندوں میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ یہ قریباً ۱۱ ہزار فٹ طویل اور دریا کی سطح سے اس کی اونچائی بادشاہی مسجد کے میناروں سے ڈگنی یعنی ۳۸۰ فٹ ہے۔ درحقیقت یہ دنیا کا دوسرا بڑا مٹی کا بند ہے۔ اس کی جھیل ۴۰ میل لمبی اور اس کا رقبہ ایک سو مربع میل ہے۔ اندازہ لگایا گیا کہ مجموعی طور پر منگلا جھیل میں ۵۵ لاکھ ۵۰ ہزار ایکڑ فٹ اور مستقل طور پر ۴ لاکھ ۵۰ ہزار ایکڑ فٹ پانی کا ذخیرہ کیا جا سکے گا۔ مزید برآں بند کا ڈیزائن ایسا ہے کہ اسے مزید چالیس فٹ بلند کر کے ذخیرۂ آب ۹۴ لاکھ ایکڑ فٹ تک بڑھایا جا سکتا ہے۔

منگلا بند پانی کا ایک بینک ہے جس میں دریائے جہلم کا پانی جمع ہوا ہے اور بعد میں حسبِ ضرورت استعمال ہوتا رہے گا۔ اس آبی ذخیرے کی ضرورت اس وقت محسوس کی گئی جب پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے صرف ساڑھے سات ماہ بعد یعنی یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو ثالثی ٹریبیونل کی میعاد ختم ہوئی اور بھارت نے پانی کی فراہمی یکلخت بند کر دی جس پر پاکستان کی ۸۰ لاکھ ایکڑ زمین کا انحصار تھا۔ یہ رقبہ کل نہری رقبہ کا

کا تیسرا حصہ ہے۔ بھارتی حکمرانوں نے اپنے آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے وادیٔ سندھ کے باسیوں کو بھوکوں مارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انہوں نے حق و انصاف کے تمام مسلّمہ اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ آج سے ہزاروں سال قبل جب آریہ ہندوستان میں آئے تھے تو انہوں نے ہڑپہ اور موہنجوڈارو کی عظیم الشان تہذیب کے وارثوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا اور خود ان کے وارث بن بیٹھے تھے۔

تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ بھارت کے موجودہ حکمرانوں نے اس روایت کو پھر دُہرانے کی کوشش کی۔ بارہ برس تک نہری پانی کا مسئلہ پاکستان کیلئے دردِ سر بنا رہا۔ دونوں ملکوں کی باہمی بات چیت سے عارضی طور پر پانی کی فراہمی شروع ہو گئی تھی لیکن اکثر ایسے مواقع آئے کہ عین ضرورت کے وقت بھارت پانی بند کر دیتا تھا یا کمی کر دیتا تھا جبکہ یا تو فصلیں بونے کا وقت ختم ہو جاتا یا کھڑی فصلیں پانی کے بغیر تباہ ہو جاتیں۔ بارہا اس مسئلے کی بدولت دونوں ملکوں پر جنگ کے مہیب بادل منڈلانے لگتے۔ آخر کئی سالوں کی بحث و تمحیص اور عالمی بنک کے تعاون سے سندھ طاس کا منصوبہ معرضِ وجود میں آیا۔ اس معاہدہ کی رُو سے یہ طے پایا کہ ہندوستان تین مشرقی دریاؤں یعنی راوی ستلج اور بیاس کا تمام تر پانی استعمال کرنے کا حقدار ہے اور پاکستان کے حصہ میں تین مغربی دریاؤں یعنی سندھ، جہلم اور چناب کا پانی آیا۔ معاہدہ کے مطابق ہندوستان کو مؤخر الذکر تین دریاؤں کا پانی بھی ایک مشروط اور محدود حد تک مقبوضہ جموں و کشمیر میں استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ معاہدہ کی رُو سے جن تعمیرات کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان کا ڈیزائن اس طور پر بنایا گیا کہ پاکستان ایک معیّنہ مدت میں اپنے مغربی دریاؤں سے فالتو پانی مشرقی دریاؤں میں منتقل کرسکے تاکہ وہ مشرقی دریاؤں سے پانی لیکر اسی طرح اپنی زمینوں کو سیراب کرتا رہے جیسے وہ پہلے کرتا آیا ہے۔ البتہ تکمیل تک پاکستان مشرقی دریاؤں سے بدستور پانی حاصل کرتا رہے گا۔ اس معاہدے کے تحت جن تعمیرات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا قرار پایا ان میں دو بند یعنی منگلا اور تربیلا دریاؤں کو ملانے والی آٹھ نہریں یعنی تریمو، سدھنائی میلسی، میلسی بہاول، رسول قادر آباد، قادر آباد بلوکی، بلوکی سلیمانکی۔ دوم چشمہ جہلم اور تونسہ پنجند الحاقی نہریں، پانچ بیراج اور اس کے علاوہ کچھ موجودہ نہروں، ہیڈ ورکس اور نہری سلسلوں کی تجدید کا کام بھی کیا جائے گا۔

منگلا بند پر ۲ ارب ۶۶ کروڑ روپیہ لاگت آئی ہے اور بجالیات کے اخراجات سمیت یہ لاگت ۳ ارب ۱۶ کروڑ روپیہ ہے۔ اس منصوبہ کے کئی حصے ہیں۔ ہر حصہ اپنے طور پر ایک مستقل حصہ ہے۔ ان میں یہ حصے شامل ہیں:۔

بڑا بند اوپر سے ۴ ہزار فٹ طویل اور ۳۸۰ فٹ بلند ہے۔ بعد ازاں دوسرے مرحلے پر ۴۴ فٹ بلند ہو جائے گا۔

جاری کا بند ۵ ہزار ۷ سو فٹ طویل اور ۲۴۲ فٹ

بلند ہے۔

سکھیال بند ۱۷ ہزار فٹ طویل اور ۸۰ فٹ بلند ہے۔

سپل وے۔ جس میں سے ۱۱ لاکھ کیوسک پانی خارج ہو سکتا ہے۔

ہنگامی سپل وے۔ بند کے ساتھ ساتھ پانی جمع کرنے والی سو مربع میل کی جھیل ۱۵ ہزار فٹ طویل ایک سو فٹ چوڑی اور ۲۷ فٹ گہری ——

—— **بونگ نہر** جس میں ۴۰ ہزار کیوسک پانی بہہ سکتا ہے۔

بجلی گھر پہلے مرحلے پر ۴ لاکھ کلو واٹ اور دوسرے مرحلے پر ۸ لاکھ کلو واٹ بجلی فراہم کریگا۔

منگلا بند سے منسلک ایک نازک اعصابی نظام بھی ہے جو دریائے جہلم اور منگلا جھیل میں پانی کی رفتار پر کڑی نگاہ رکھتا ہے۔ پانی اور عظیم بند کے ردِ عمل کی نگرانی کرتا ہے۔ یہ اعصابی نظام اچانک خطرے کا جائزہ لینے کے لئے محافظ کے طور پر بنایا گیا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تمام پشتوں اور بنیادوں تک میں نہایت نازک آلات دفن کئے گئے ہیں۔ ان آلات سے رسنے والے پانی کے دباؤ کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔ ساری جھیل کے قرب و جوار میں پیمائشی آلات نصب ہیں جن سے نظام کی تکمیل کا علم ہوتا ہے۔

منگلا کا پن بجلی گھر اپنی تکمیل کے بعد مغربی پاکستان میں بجلی کی روز افزوں مانگ پوری کرنے میں اہم کردار ادا کرے گا۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۹۷۵ء تک صوبے کی برقی مانگ ۱۷ لاکھ کلو واٹ ہو جائے گی۔ جہاں تک فصلوں کے لئے پانی کی فراہمی کا تعلق ہے بجلی گھر میں دس والو نصب کئے جائیں گے جن میں ہر ایک ساڑھے چار ہزار کیوسک پانی خارج کرے گا اور بجلی گھر بند ہونے کی صورت میں زرعی ضرورت پوری ہو سکے گی۔ اس کے علاوہ منگلا جھیل سے جو کہ ایک متبادل تعمیر ہے سندھ طاس کے منصوبے کے مطابق ابتدا میں ۳۰ لاکھ ایکڑ زمین سیراب ہو سکے گی۔

منگلا کی بالائی سمت کے علاقہ میں دریائے جہلم کے کٹاؤ کا خطرہ رہتا ہے۔ اس کٹاؤ میں دریا جو ریت اور مٹی بہا کر لائے گا وہ جھیل کی تہہ میں بیٹھتی جائے گی۔ چنانچہ مکمل تحقیقات کے بعد یہ بات واضح ہوئی ہے کہ اگر یہ سلسلہ ایک سو تیس سال تک رہے تو پھر یہ جھیل ناپید ہو جائے گی۔ اگر بند کو کٹاؤ سے محفوظ رکھا جائے اور جھیل میں آنے سے پہلے راستے میں کیچڑ کی روک تھام کر لی جائے تو بند کی زندگی لمبی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ انسدادی اقدامات ہو رہے ہیں۔ اس پروگرام میں انسدادی ڈھانچوں کا سلسلہ سات لاکھ پچاس ہزار ایکڑ علاقے میں پھیلا ہوا ہے اور نہایت اثر انگیز ہے۔ اس علاقے میں ۲۳۴ چھوٹے بند اور ۹۹۰۰ مٹی اور پتھر سے مرتب چھوٹے چھوٹے بند ہیں۔ اور تیس ہزار ڈھانچے ہیں جو کٹاؤ کو روکنے میں مدد ہو رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ درخت

بھی اُگائے جا رہے ہیں۔ اس کام کے بعد ان دنوں ایک پچیس سالہ منصوبہ زیر عمل لایا جا رہا ہے۔ جو مغربی پاکستان اور آزاد کشمیر کے سترہ لاکھ ایکڑ برساتی علاقے کا احاطہ کرے گا۔ بدقسمتی سے اس کا باقیماندہ حصہ مقبوضہ کشمیر میں ہے۔

اس قسم کے بڑے بڑے منصوبے بہادری، قربانی اور ایثار کی نئی کہانیاں بھی پیدا کرتے ہیں۔ سب سے اہم کہانی جو دل میں تلاطم پیدا کرتی ہے ان لوگوں کی کہانی ہے جو اس منصوبے سے متاثر ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد ۸۱۰۰۰ ہے۔ دو سَو گاؤں اور دو بڑے شہر 'میرپور اور ڈڈیال' بالکل مٹ چکے ہیں۔ ان کو جھیل کے ارد گرد اور دیگر علاقوں میں بسایا گیا ہے۔ حصولِ زمین کے قانون کے مطابق متاثرہ لوگوں کو قابلِ قدر فیاضانہ معاوضہ دیا گیا ہے آبادی کا یہ عظیم انخلاء ایک بہت بڑا مسئلہ تھا مگر بفضلہ تعالیٰ یہ کام بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔

منگلا بند کا ٹھیکہ جو پاکستان کی سول انجینئرنگ کی تاریخ میں سب سے بڑا ٹھیکہ ہے سان فرانسسکو کے گائی ایف اٹکنسن کی سربراہی میں قائم ہونیوالے آٹھ امریکی فرموں کے ایک ادارے کو دیا گیا۔ ٹھیکے کی شرائط کی رُو سے بند کی تکمیل کی مقررہ تاریخ یکم جولائی ۱۹۶۸ء تھی لیکن بند مقررہ مدت سے ایک سال قبل ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔

اب جبکہ یہ منصوبہ کامیابی سے مکمل ہو چکا ہے اس میں سیاحوں کے لئے کشتی رانی اور مچھلیوں کے شکار وغیرہ کی متعدد سہولتیں فراہم کی جا چکی ہیں۔

عہدِ قدیم کی منگلا دیوی جو عقل مند دیوی تھی اس نے وقت کے ساتھ بدلنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک دنیاوی رُوپ دھار لیا ہے۔ وہ ہمیشہ کی طرح نیک اور مہربان ہے۔ اور پہاڑوں کی چوٹیوں سے اُتر کر وادی میں قیام کر رہی ہے۔ پہلے وہ نازک اور لطیف تھی مگر اب قوی اور عظیم ہے، اپنے دامن میں آبِ حیات لئے ہوئے۔ پہلے وہ حاجت مندوں کو اپنے پاس طلب کر لیا کرتی تھی مگر اب اسے شاید احساس ہو گیا ہے کہ اس کے حاجت مندوں کو بہت کچھ کرنا ہوتا ہے اس لئے وہ اپنی نعمتِ آبِ حیات ان تک خود پہنچا دیتی ہے، خواہ وہ کہیں بھی ہوں اور صدہا میل دور ہی کیوں نہ ہوں۔

منگلا دیوی اب منگلا جھیل کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ہم نے اس سے بجلی اور خوشحالی کا مطالبہ کیا ہے اور اب انشاء اللہ یہ دونوں نعمتیں ہم کو مل جائیں گی +

صحت جسمانی

کیوں اور کیسے؟

مکرم اعجاز احمد صاحب المحمود۔ لائلپور

۱۔ زخم پر کھرنڈ کس طرح بن جاتا ہے؟

جب آپ کا جسم کسی جگہ سے کٹ جاتا ہے تو چند روز کے بعد اُس جگہ کھرنڈ آ جاتا ہے۔ کیوں اور کیسے؟ بات دراصل یہ ہے کہ آپ کے خون میں خاص قسم کی ایک چیز ہوتی ہے جو کٹی پھٹی جلد سے نکلنے والی رطوبت میں شامل ہو جاتی ہے۔ ان دونوں کے ملنے سے ایک گاڑھی رطوبت وجود میں آتی ہے جو ہوا لگنے سے خشک ہو جاتی ہے، اسی کو کھرنڈ کہتے ہیں۔ بہتا ہوا خون اس کی وجہ سے بند ہو جاتا ہے۔ ہمارے لئے اس کا ہونا بہت اچھا ہے۔

اگر کٹی پھٹی جلد خود بخود بند نہ ہو تو جراثیم اندر داخل ہو کر مزید نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ کھرنڈ زخم پر اس وقت تک موجود رہتا ہے جب تک اس کے نیچے نئی کھال پیدا نہیں ہو جاتی۔ جب نئی کھال آ جاتی ہے اور کھرنڈ کی ضرورت باقی نہیں رہتی تو وہ خشک ہو کر گر جاتا ہے۔

۲۔ دوڑنے سے آپ کو گرمی کیوں لگتی ہے؟

آپ کا جسم گرم گرم خون کی وجہ سے زندہ اور گرم رہتا ہے۔ مرنے کے بعد یہ خون ساکن ہو جاتا ہے۔ خون کی گردش رک جاتی ہے اور جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ بڑے بوڑھے آدمیوں کے جسم میں نیا خون پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے انہیں زیادہ سردی لگتی ہے۔ ان کا درجۂ حرارت گر جاتا ہے اور جسم جوانوں جیسا گرم نہیں رہتا۔

جب آپ ایک جگہ بیٹھے ہوتے ہیں تو آپ کا دل آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہے۔ اور خون بھی آہستہ آہستہ آپ کی جلد اور جسم کے دوسرے حصوں تک پہنچتا رہتا ہے۔ لیکن جب آپ دوڑتے ہیں تو آپ کے دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے۔ جب دل زور زور سے دھڑکتا ہے تو خون کی زیادہ مقدار جلد کی طرف جاتی ہے اور آپ کا جسم گرم ہو جاتا ہے۔ بخار کے وقت بھی آپ کا جسم زیادہ گرم ہو جاتا ہے خون کی گردش بیماری کی وجہ سے تیز ہو جاتی ہے اور مریض گرمی محسوس کرتا ہے لیکن بیماری اور تندرستی کی حرارت میں فرق ہے۔ ایک بُری ہے اور دوسری اچھی۔

۳۔ جب آپ اپنے ناخن یا بال کاٹتے ہیں تو تکلیف کیوں نہیں ہوتی؟

آپ کو درد کا احساس اپنی رگوں سے ہوتا ہے۔

جو دماغ تک پہنچتا ہیں۔ آپ کے جسم میں رگوں کا ایک وسیع جال پھیلا ہوا ہے۔ یہ رگیں ہر قسم کے اچھے بُرے پیغامات آپ کے دماغ تک پہنچاتی ہیں۔ مثلاً جیسے ہی آپ کوئی چیز چھوتے ہیں یا کوئی چیز آپ کے جسم کے کسی حصے سے مَس ہوتی ہے تو جلد کی رگیں فوراً یہ پیغام دماغ تک پہنچاتی ہیں جو بچپن سے اس قسم کے پیغامات کا عادی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اندھیرے میں بھی محض ٹٹول کر بعض چیزوں کو پہچان لیتے ہیں۔

آپ اپنے ہاتھوں سے سرد و گرم، خشک یا تر، چکنی یا کھردری، غرض ہر قسم کی اچھی یا بُری چیز کا اندازہ محض چھُو کر لگا لیتے ہیں۔ آپ کے ہاتھوں کی رگیں دماغ تک فوراً یہ خبر پہنچا دیتی ہیں اور آپ اندازہ لگا لیتے ہیں کہ آپ جو کچھ چھُو رہے ہیں وہ کیا چیز ہے اور کیسی ہے؟

آپ کے بالوں اور ناخنوں میں یہ رگیں موجود نہیں ہوتیں کیونکہ بال اور ناخن گوشت پوست سے مل کر نہیں بنے۔ رگیں موجود نہ ہونے کی وجہ سے پیغام رسانی کا سلسلہ بند رہتا ہے اور آپ کو ناخن یا بال کاٹتے وقت کسی قسم کا درد محسوس نہیں ہوتا۔

۴۔ آپ کو کیسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے؟

آپ کے جسم میں اعصاب کا ایک مکمل نظام ہے۔ یہ اعصاب یا رگ پٹھے باریک دھاگوں کی شکل میں، جسم کے ہر عضو کو آپ کے دماغ سے متعلق رکھتے ہیں۔ اس کے ذریعے ہر دو سمتوں میں پیغام رسانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے جیسے ہی آپ کو اپنے جوتے میں کچھ چُبھتا ہوا محسوس ہوتا ہے آپ اپنا جوتا اُتار کر اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ آپ کے پَیر میں جو رگیں موجود ہیں انہوں نے دماغ تک یہ پیغام پہنچایا کہ جوتے میں کوئی کیل یا کانٹا چُبھ رہا ہے۔ دماغ نے فوراً آپ کی آنکھوں، ہاتھوں، پُشت اور بازوؤں کو حکم دیا کہ وہ اس چُبھن کو دور کریں۔ آپ کا پورا جسم کانٹے کی تلاش میں مصروف ہو گیا۔

آپ آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کے دماغ کو ہر لحظہ کتنا کام کرنا پڑتا ہے۔ آپ کے جسم میں اس کی وہی حیثیت ہے جو کسی عظیم ادارے میں صدر دفتر کی ہوتی ہے۔ بلاشبہ دماغ آپ کے جسم کا بادشاہ ہے جو مستقل طور پر احکامات صادر کرتا رہتا ہے۔

۵۔ آپ کا جسم کیسے بڑھتا ہے؟

آپ کا جسم لاکھوں کروڑوں خلیوں سے مل کر بنا ہے جو اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ آپ انہیں صرف خوردبین کی مدد سے دیکھ سکتے ہیں۔ آپ کے جسم کا ہر حصہ ـــــ آپ کی ہڈیاں، کھال، دل، پھیپھڑے، اعصاب، غرض ہر عضو ان خلیوں سے مل کر ہی بنا ہے۔ (باقی صفحہ ۳۲ پر)

مکرم چوہدری محمد ابراہیم صاحب ایم۔اے
ناظم وقارِ عمل مجلس ربوہ

وقارِ عمل

مجلس خدام الاحمدیہ کے بانی ہمارے محبوب آقا سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جماعت کو مختلف ذیلی تنظیموں میں اس لئے تقسیم فرمایا ہے کہ تا ہم اپنے ایمان کی حفاظت کرنے اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں جو خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ہم پر عائد ہوتی ہیں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور ہر تنظیم مسابقت کی روح قائم کرتے ہوئے دوسری تنظیم کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہو۔ پھر ہر تنظیم مختلف شعبہ جات میں منقسم ہے۔ آج مجلس خدام الاحمدیہ کے جس شعبہ کے بارہ میں کچھ عرض کرنا ہے وہ وقارِ عمل ہے۔ وقارِ عمل کے الفاظ جب ہم زبان پر لاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم جو کام بھی کریں اس میں صحیح دینداری، وقار، مسلسل جدوجہد اور محنت اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ پائی جائے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

لقد خلقنا الانسان فی کبدٍ۝

یعنی ہم نے یقیناً انسان کو محنت کا مرہونِ منت بنایا ہے۔ قوموں کی ترقی اور عروج کے لئے محنت کا پایا جانا بے حد ضروری اور لازمی ہے۔ قرآن کریم کی تائید میں جب ہم اپنے آقا و مولا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ قوموں کی ترقی اور عروج کے لئے افراد کے اندر محنت اور جدوجہد کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہونا چاہیئے۔ افراد میں جب تک معمولی سے معمولی کام کو اپنے ہاتھ سے کرنے کی صلاحیت اور جوش نہ ہوگا ترقی کی طرف قدم اُٹھنا بند ہو جائے گا۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے موقعہ پر جب خندق کھودنے کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ڈیوٹی لگائی تو حضورؐ خود بھی اپنے دستِ مبارک سے خندق کھودنے میں حصہ لیتے تھے۔ ذکر آتا ہے کہ اس خندق میں جب صحابہؓ سے ایک پتھر ٹوٹ نہ سکا تو حضورؐ نے خود اس پتھر کو توڑا اور اللہ تعالیٰ سے قیصر و کسریٰ کی چابیاں پانے کی بشارت صحابہؓ کو سنائی۔ دوسری جنگوں میں بھی جب لشکر کا پڑاؤ ہوتا تو حضورؐ جہاں مختلف کاموں کو صحابہؓ میں تقسیم فرما دیتے وہاں خود بھی کوئی نہ کوئی کام اپنے ذمہ لیتے۔ صحابہ باوجودیکہ حضورؐ پر اپنی جان چھڑکتے تھے اور آپؐ کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہتے تھے مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کبھی عار نہ سمجھتے تھے۔

قرآن کریم کی تعلیم اور حضورؐ کی سُنّت ہمارے سامنے ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اس تعلیم کو اپنائیں اور اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں۔

"وقارِ عمل" کی صحیح روح کو نوجوانوں کے دل و دماغ میں جاگزیں کرنا مجلس خدام الاحمدیہ کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر مجلس سال بھر جائزہ لیتی رہے کہ اس کے خدام میں وقارِ عمل کی صحیح رُوح کس حد تک پیدا ہو گئی ہے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں وقارِ عمل کی حقیقی روح کے چند پہلو یہ ہیں :-

(۱) ہر خادم کام کرے سُستی اور کاہلی کو دُور کرے۔

(۲) کسی کام کی راہ میں جھوٹی عزت کو حائل نہ ہونے دے اور کسی جائز کام کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھے۔

(۳) معاشرہ کے کسی فرد کو کسی خاص پیشہ کی وجہ سے حقارت اور نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔

(۴) فارغ اوقات کو بھی مفید کاموں میں صرف کرنے کی کوشش کرے۔

(۵) ہر خادم اس رنگ میں اپنی تربیت کرے کہ وہ روزمرہ زندگی میں غیر موافق حالات میں بھی کسی کا دستِ نگر نہ رہے۔

(۶) سوال کی عادت سے بچے۔

(۷) محنت، مشقت اور جفاکشی کا اپنے آپ کو عادی بنائے۔

وقارِ عمل کے کام کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ انفرادی وقارِ عمل۔ ب۔ اجتماعی وقارِ عمل

ج۔ شجر کاری۔ د۔ کھیوں اور مچھروں کا انسداد۔

ھ۔ صفائی۔

انفرادی وقارِ عمل میں گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانا، سودا سلف خود خرید کر لانا، سفر میں اپنا سامان اٹھانا، مساجد اور مراکز نماز کی صفائی، ہر مہینے اپنا کوئی نہ کوئی کپڑا خود دھونا، اپنے جُوتے پالش کرنا، نیز گھر اور ماحول کو خوبصورت بنانے کے لئے پودے اور پھول لگانا، نیز سبزیاں اگانا بھی وقارِ عمل میں شامل ہے۔ اجتماعی وقارِ عمل میں سڑکوں کی تعمیر، نالیوں، گزرگاہوں اور راستوں کی مرمت اور صفائی، گڑھوں کا پُر کرنا اور کھیل کے میدانوں کی درستی وغیرہ شامل ہے۔

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر خدام کو خطاب کرتے ہوئے ہمہ گیر اجتماعی وقارِ عمل منعقد کرنے کی طرف خصوصی توجہ دلائی تھی۔

اجتماعی وقارِ عمل منانے سے پہلے عہدیداران کا یہ کام ہے کہ وہ جگہ کا انتخاب کریں، باقاعدہ سکیم بنائی جائے خدام کو کم از کم دو دن پہلے وقارِ عمل میں شمولیت کی تحریک کی جائے۔ سائقین کے ذریعہ بار بار انہیں یاد دلایا جائے پھر جتنے خدام کی شرکت متوقع ہو اتنے خدام کے لئے سامان ضرور مہیا کرنا چاہیئے۔ سب خدام کے لئے سامان کا موجود ہونا بہت ضروری ہے۔ سامان کے بغیر

کامیاب وقارِ عمل منایا ہی نہیں جا سکتا۔ بارہا اس بات کا تجربہ ہوا ہے کہ ایک مجلس نے وقارِ عمل کا بندوبست کیا۔ کافی خدام بھی خدا کے فضل سے اس وقارِ عمل میں شامل ہوئے مگر سامان کی کمی شدت سے محسوس کی گئی کئی خدام فارغ کھڑے رہے۔ اکثر کی باری بڑی دیر سے آتی تھی جس خلوص اور محنت سے انہوں نے کام کیا اگر سامان پورا ہوتا تو اس وقت میں اتنے ہی خدام دوگنا کام کر سکتے تھے۔ لہذا مجالس کو اس امر کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ وقارِ عمل میں وقت کی پابندی ضرور کی جایا کرے۔ اگر آپ ایک گھنٹہ کا وقارِ عمل رکھنا چاہتے ہیں۔ تو عین وقت میں شروع کروا کر ایک گھنٹہ میں اسے ضرور ختم کروا دیں۔ وقت کی پابندی نہ کرنا حاضری پر بہت بُرا اثر ڈالتا ہے۔ اس کی طرف بھی خاص توجہ دینی چاہیئے۔

شجرکاری بھی وقارِ عمل کا ایک حصّہ ہے۔ درخت علاوہ اپنے دیگر فوائد کے فضا میں خنکی پیدا کرنے اور بارانِ رحمت کا موجب ہوتے ہیں۔ خدام کو اس کی طرف بھی توجہ دینی چاہیئے۔

مچھروں اور مکھیوں کا انسداد بھی وقارِ عمل میں شامل ہے۔ مچھر اور مکھیاں انسانی صحت کے لئے تباہ کن ہیں۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ اپنے گھروں اور ماحول کو صاف ستھرا رکھیں تاکہ مچھر اور مکھیاں پیدا نہ ہوں۔ پیدا شدہ مکھیوں کے انسداد کے لئے مکھیاں مارنے کی دوا کے استعمال کا طریق بہت مفید ہے۔ مچھروں کے لئے سپرے کا خاص اہتمام ہونا چاہیئے۔

بالآخر میں ان گذارشات کو سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مندرجہ ذیل دعا پر ختم کرتا ہوں۔ حضور فرماتے ہیں:-

"میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہماری مدد فرمائے۔ اور ہمیں ایسی توفیق عطا فرمائے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے ذاتی فرائض کو ادا کرنے والا ہو۔ اپنے بھائیوں کو بھی اٹھانے اور ان کو بیدار کرنے کا باعث ہو تاکہ ہم خدا تعالیٰ کے سامنے بیدار اور ہوشیار سپاہیوں کی صورت میں پیش ہوں مُردار اور بے کار لوگوں کی صورت میں پیش نہ ہوں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲؍اکتوبر ۱۹۴۳ء)

زندہ نبی محمدؐ۔ زندہ کتاب قرآں
زندہ خدا کو مانو کیا ہو گیا ہے تم کو

پیغامِ حق سُنا دو سارے جہاں کو اٹھو
ہمّت کرو جوانو! کیا ہو گیا ہے تم کو

تنویر

مکرم حافظ عباس علی صاحب عاصم

اُردو کی ابتداء کہاں اور کیسے ہوئی؟

(پہلی قسط کے لئے نومبر ۱۹۶۷ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں)

دکن میں اُردو کی ابتداء

شمال کے فاتحین مسلمان جب دہلی کی چوہان سلطنت فتح کر چکے تو انہوں نے جنوب کا رُخ کیا۔ مسلمانوں کی لائی ہوئی "نئی زبان" ابھی ناپختہ تھی اور اس پر "برج" کا کچھ زیادہ اثر بھی نہ ہوا تھا کہ علاؤ الدین خلجی اور ملک کافور نے یکے بعد دیگرے دکن پر حملے کئے۔ یہ سنہ ۷۱۰ھ کی بات ہے۔ اس کے بعد سلطان محمد تغلق نے پہلے دکن پر حملہ کیا اور پھر دولت آباد کو اپنا پایۂ تخت بنالیا۔ جب دولت آباد دارالخلافہ بنا تو نہ صرف فوجی بلکہ اہلِ علم و فضل۔ اہل حرفہ اور تجّار حضرات سبھی دہلی کو خیر آباد کہہ کر دکن چلے آئے۔ بادشاہ خود تو جلد ہی دہلی واپس لوٹ آیا۔ لیکن دہلی سے جانے والوں کی اکثریت دولت آباد میں ہی قیام پذیر رہی۔

دکن میں آنے والے فاتحین کی "زبان" نے یہاں نہایت آزادانہ طور پر نشوونما پائی۔ کیونکہ یہاں اور کوئی ایسی زبان نہ تھی۔ جو اس زبان کا مقابلہ کرتی یا اس کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بنتی۔

لفظ "اردو" کی تحقیق

شمال میں اس زبان کا کوئی نام نہ تھا۔ دکن میں اس "زبان" کو "دکھنی" کا نام دیا گیا۔ رفتہ رفتہ شمالی ہند میں بھی اسے "ریختہ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

"اردو" ترکی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی "لشکرگاہ" کے ہیں۔ اردوئے قدیم کا مصنف لکھتا ہے۔

"امیر علاؤ الدین جوینی کی "تاریخ جہاں کشا" اور وزیر رشید الدین فضل اللہ کی جامع التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خان اور اس کی اولاد کے زمانے میں مغل بادشاہوں اور بادشاہزادوں کے فرودگاہوں اور لشکرگاہوں کو "اردو" کہا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا مستقر حکومت بھی اردو کہلاتا تھا۔ اور قراقرم کا قدیم نام اردو بالیغ تھا۔" (تاریخ زبان اردو صفحہ ۲ مؤلفہ حکیم سید شمس الدین قادری)

چنگیز خاں کے بعد سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ سے لے کر سلطان محمد تغلق کے زمانہ تک مغل بادشاہوں نے ہندوستان پر گیارہ حملے کئے اور تقریباً سو سال تک ہندوستان کا شمالی خطّہ ان کے جوروستم کا تختۂ مشق بنا رہا۔ اسی زمانہ میں ہندوستان میں لفظ "اردو" رائج ہوا۔ اور اس خطّہ میں بھی لشکرگاہ کو "اردو" کہا جانے لگا۔

قاضی منہاج الدین جوزجانی کی تصنیف سے بھی
اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں اہل ہند
مغلوں کے "لشکرگاہ" کو "اردو" کہا کرتے تھے۔
شمس الدین عفیف نے "تاریخ فیروز شاہی"
سنہ ۸۰۱ھ میں لکھی۔ مصنف نے فیروز شاہی لشکر کے
لئے لفظ "اردو" ہی استعمال کیا ہے۔
بابر نے ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد اطراف
و اکناف میں جو فتح نامے بھجوائے تھے ان میں اپنے
لشکر کو "اردوئے نصرت" کے نام سے موسوم کیا۔
بابر، اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں جو سکّے مضروب
کروائے گئے ان پر دارالنصرت کا نام "اردو" لکھوایا
گیا۔ (تاریخ زبان اردو صفحہ ۲۲ مؤلفہ حکیم سید شمس اللہ
قادری)
اکبر کے زمانے میں شاہی لشکر اور دارالحکومت
کو اردوئے معلّی کہا کرتے تھے۔ اور اس کا بازار "اردو
بازار" کہلاتا تھا۔
اردو مغلیہ لشکرگاہوں میں بھی بولی جاتی تھی۔
اسی وجہ سے اسے "زبان اردو" یعنی اہل لشکر کی زبان
کہا جانے لگا۔ کثرت استعمال سے لفظ "زبان" حذف
ہوگیا اور صرف اردو رہ گیا۔
اردو کا دوسرا نام ریختہ بھی ہے۔ پہلے پہل ریختہ اردو نظم کو کہتے
تھے لیکن بعد میں نظم و نثر دونوں پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔
ولی کا ایک شعر ہے ؎

یہ ریختہ ولی کا جا کر اسے سنا دو
رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کی مانند

لغت میں "ریختہ" گری پڑی چیز کو کہتے ہیں۔ فارسی شعراء
کی اصطلاح میں ریختہ وہ کلام کہلاتا ہے جو دو یا دو سے زیادہ
زبانوں سے عبارت ہو۔ اردو کے اکثر قدیم شعراء فارسی
اور ہندی کے الفاظ بکثرت استعمال کرتے تھے چنانچہ
ہندی اور فارسی کے بکثرت الفاظ استعمال کرتے تھے۔
چنانچہ ہندی اور فارسی کے الفاظ نے ایک حسین گلدستہ
کی صورت اختیار کر لی جسے بعد میں ریختہ (اردو) کا نام
دے دیا گیا۔
اردو کب معرض وجود میں آئی؟ جس طرح اس بات
میں اختلاف ہے کہ اردو کس خطّہ کی پیداوار ہے اسی طرح
اس بات میں بھی ہوا ہے اس کے متعلق مختلف آراء پائی جاتی
ہیں۔ چند ایک کا ذکر کرتا ہوں۔
میر امّن دہلوی اپنی کتاب "باغ و بہار" کے دیباچہ
میں لکھتے ہیں۔ "جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں
طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی
اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئے۔ لیکن
ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی۔ اکٹھے ہونے
سے آپس میں لین دین، سودا سلف، سوال و جواب کرتے
ایک زبان اردو مقرر ہوئی۔"
اصل میں اردو زبان کے متعلق اس قدر مختلف
آراء ہیں کہ ہم کسی صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتے۔
حکیم سید شمس اللہ قادری اپنی کتاب "اردوئے قدیم"
میں لکھتے ہیں۔ "مسلمان فاتحوں سے جب ہندوؤں کا میل
جول ہوا تو "برج بھاشا" میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز
بڑھتا گیا۔ اور ایک عرصہ کے بعد زبان کی اصل ہیئت بدل

گئی جس کے باعث ایک جدید زبان کا ظہور ہوا۔ اور یہ جدید زبان سلاطین مغلیہ کے دور میں زبان اردو کے نام سے موسوم ہوئی۔" (اردوئے قدیم صفحہ ۱۴)

سرسید احمد خان اپنی کتاب آثار الصنادید میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:۔

"اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بھاشا میں کچھ تغیر و تبدیل نہیں ہوئی تھی۔ مسلمان اپنی گفتگو "فارسی" زبان میں اور ہندو اپنی گفتگو "بھاشا" میں کیا کرتے تھے۔ امیر خسرو نے خلجی بادشاہوں کے زمانے سے یعنی حضرت مسیح کی تیرھویں صدی میں فارسی زبان میں "بھاشا" کے لفظ ملانے شروع کئے تھے اور کچھ پہیلیاں اور کچھ مکرنیاں اور نسبتیں ایسی زبان میں کہی تھیں جن میں اکثر الفاظ بھاشا کے تھے۔ شاہجہان بادشاہ نے سنہ ۱۰۵۸ھ یعنی سنہ ۱۶۴۸ء میں شہر جہان آباد آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا۔ اس زمانہ میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت مل گئی تھی۔ اور بعض فارسی لفظوں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں بسبب کثرت استعمال کے تغیر و تبدل ہو گیا۔ اور اس طرح ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی اور اسی سبب سے زبان کا اردو نام ہوا اور پھر کثرت استعمال سے لفظ زبان کا محذوف ہو کر اس زبان کو اردو کہنے لگے۔"

اردو زبان کی ابتداء کے متعلق مستشرقین یورپ کی رائے

مسٹر بیمس لکھتے ہیں۔

ہندوستان کے فتح ہو جانے کے بعد ایک عرصہ دراز تک مسلمانوں نے فارسی اور ہندوؤں نے ہندی کو محفوظ رکھا۔ اور ان دونوں زبانوں کو گڈمڈ نہیں ہونے دیا۔ لیکن اکبر کے زمانے (۹۶۳ھ ۱۰۱۴ع) میں جب راجہ ٹوڈرمل نے طریق مال گذاری کو رواج دیا تو ہندوؤں کو فارسی زبان سیکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اور اس طرح فارسی اور ہندی کی آمیزش ہونے لگی اور ایک نئی زبان معرض وجود میں آئی۔

اردو کے مشہور سرپرست ڈاکٹر جان گل کرسٹ کا خیال ہے کہ اردو زبان کی ابتداء تیمور کے حملہ ہندوستان سے ہوتی ہے۔ (ڈاکٹر گل کرسٹ ہندوستانی فیلالوجی ما)

گولبرڈک اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ ۱۵۰۰ء کے آخر میں برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا اور اس طرح ایک جدید زبان کا ڈھانچہ بننے لگا جس کا نام "اردو" تجویز ہوا۔

ڈاکٹر وینبر کے نزدیک بارہویں صدی عیسوی میں جب مسلمانوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کیا تو عربی اور فارسی کے الفاظ برج بھاشا میں ملنے لگے اور اس طرح پندرھویں صدی عیسوی تک ایک نئی زبان جنم لے چکی تھی۔

الغرض اردو زبان کی ارتقا بارہویں صدی سے سولہویں صدی عیسوی کے درمیانی حصہ میں ہوئی۔ دکن میں اس زبان کو "دکھنی" کے نام سے موسوم کیا جاتا رہا۔ اور قدیم سے قدیم دکھنی شعراء اور مصنفین بھی اسے اسی نام سے موسوم کرتے رہے اور اس کا یہ نام ۱۲۸۰ھ تک قائم رہا۔

شمالی ہند میں اسے پہلے پہل "ریختہ" کا نام ملا اور بعد میں "اردو" کے نام سے مشہور ہوئی۔ غالب مرحوم بھی اپنے ایک شعر میں اسے "ریختہ" کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں ؎

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

داغؔ نے اسے "اردو" کا نام دیا ہے ؎

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے

اردو کا پہلا شاعر

جس طرح اردو زبان کی پیدائش اور جائے مولد کے بارے میں بہت اختلاف ہے اسی طرح اس بات کا بھی کوئی تسلی بخش فیصلہ نہیں ہو سکا کہ اردو زبان کا پہلا شاعر کون تھا؟ بعض لوگوں نے امیر خسروؔ کو اردو کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔ آزاد مرحوم ولی کو اردو شاعری کا آدم قرار دیتے ہیں۔

بعض محققین نے سلطان محمد قلی کو بھی اردو کا پہلا شاعر کہا ہے جو دکن میں اردو "کا مؤلف وحید کن"

اور نظامی کو اردو کے ابتدائی شاعروں میں شمار کرتا ہے تاہم ابھی تحقیق کی مزید ضرورت ہے۔

اُردو کی ترقی اور ارتقا کی تقسیم

اردو کی ترقی اور ارتقا کے لحاظ سے اسے سات ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ پہلا دور بہمنی دور۔ ۷۴۷ ھ تا ۹۰۰ء
۲۔ دوسرا دور۔ قطب شاہی و عادل شاہی اردو ۹۰۱ ھ تا ۱۱۰۰ء۔
۳۔ تیسرا دور۔ مغلیہ دور۔ ۱۱۰۱ ھ تا ۱۱۳۶ء۔
۴۔ چوتھا دور۔ سلطنت آصفیہ اور اردو ۱۱۳۶ ھ تا ۱۲۲۰ ھ۔
۵۔ پانچواں دور۔ سلطنت آصفیہ اور اردو ۱۲۲۰ ھ تا ۱۳۰۱ ھ
۶۔ چھٹا دور۔ سلطنت آصفیہ اور اردو ۱۳۰۱ ھ تا ۱۳۳۶ ھ
۷۔ ساتواں دور۔ سلطنت آصفیہ اور اردو ۱۳۴۶ ھ تا ۱۳۸۶ ھ

بہمنی دور اور اس کی خصوصیات

بہمنی دور اردو زبان کا ابتدائی دور ہے۔ اس زمانہ میں علاؤ الدین خلجی نے دکن کو فتح کر کے اسے اپنی حکومت کا حصہ بنا لیا تھا۔ لیکن تیس ۳۰ سال کے بعد امراء دکن نے محمد تغلق کے خلاف بغاوت برپا کر دی۔ دو سال کی جد و جہد کے بعد سلطنتی افواج کو شکست ہوئی

اور حسن خان دکن کا خود مختار حاکم مقرر ہوا۔ تقریباً دو سو سال تک اس خاندان نے حکمرانی کی۔

سلطان علاؤ الدین حسن اور اس کے جانشین علم دوست واقع ہوئے تھے۔ ان کے زمانے میں دکن علوم و فنون کا مرکز بنا رہا۔ بیدر کا عظیم الشان کالج (مدرسہ محمود ان) کے کھنڈرات آج بھی ان لوگوں کی علم دوستی کے زندہ ثبوت ہیں۔

بادشاہِ وقت کے جود و سخا نے ہر مصنّف اہلِ علم اور اہلِ ہنر کی پوری پوری حوصلہ افزائی کی۔ سلاطین بہمنہ نے دکھنی زبان (ریختہ) کی خاص طور پر سرپرستی فرمائی اور اسے سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ علماءِ وقت نے اسے تعلیم و تبلیغ کا ذریعہ بنایا۔ بزرگانِ دین نے اپنے مریدوں کو تزکیہ نفس اور مذہبی امور پر ہدایات دینے کے لیئے اسی زبان کو منتخب کیا۔ اور اسی طرح اس زبان میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی۔

اس عہد کے دو مصنفین کے نام زیادہ مشہور ہیں۔

۱۔ سید محمد حسینی۔ ۲۔ محمد عبداللہ حسینی۔

اوّل الذکر خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔ علم تصوّف پر آپ کی تین تصانیف کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ معراج العاشقین۔ ۲۔ ہدایت نامہ۔ ۳۔ رسالہ سہ بارہ۔

آپ کے شاگردوں اور مریدوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ نماز ظہر کے بعد آپ انہیں علم تصوّف حدیث اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے۔ جو لوگ عربی سے ناواقف اور نابلد تھے۔ آپ انہیں "دکھنی" زبان میں درس دیتے اور ان کے لیئے اسی زبان میں تقریر فرماتے۔

آپ نے مذکورہ بالا تصانیف بھی عربی اور فارسی سے ناواقف لوگوں ہی کے لیے لکھی تھیں۔

۲۔ عبداللہ الحسینی

عبداللہ الحسینی آپ کے پوتے تھے۔ آپ کا شمار بھی اپنے وقت کے اکابرین اور صوفیا میں ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے مریدوں کے لیے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نشاط العشق کا دکھنی ترجمہ کیا اور اس کی شرح بھی لکھی۔ (باقی)

قطعہ

جو شکوہ سنج لوگ ہیں ہر دم پکارتے
"دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے"
کہیئے انہیں کہ سوچ کے کھولیں دہن جناب
وہ باوقار ذات ہے ہم بے وقار سے
وہّاب و منعم و غنی و ذوالمنن ہے وہ
اس کی صفات کو کبھی دل میں اُتار کے
اس کے حضور ظاہر و باطن سنوار کر
سر کو جُھکا کے عاجزی و انکسار سے
حاجات اپنی مانگ کر آہ و بکا کے ساتھ
دیکھے تو ہوتے حوصلے پروردگار کے

(پروفیسر محمد طفیل خانیوال قائد مجالس ضلع ملتان)

سلسلہ عالیہ احمدیہ کے معروف شاعر و صحافی

حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکملؔ

کی

دلگداز اور پُر تاثیر نظموں کا مجموعہ

نغمۂ اکملؔ

سنہ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۶۶ء تک

جن میں سے

بعض شاعر نے بزبانِ خود سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بارگاہِ اقدس میں ارتجالاً پیش کیں اور داد پائی۔ بیشتر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سے بے پناہ عقیدت و ارادت کی مظہر ہیں۔

اکثر سلسلہ احمدیہ کے اخبارات اور رسائل میں چھپ کر قبولِ عام کی سند حاصل کر چکی ہیں۔

کئی مقامی اور بیرونی ممالک کے جلسوں میں اور اجتماعوں کے موقع پر پڑھ کر سنائی جا چکی ہیں بر بعض سے نایاب و نادستیاب تھیں اور اب پہلی مرتبہ مغفور کی یادگار کے طور پر کتابی صورت میں یکجا کی گئی ہیں۔

- ٥ آفسٹ، لیتھو، اور بلاک پرنٹنگ کا حسین امتزاج
- ٥ $\frac{20\times 26}{8}$ سائز کے ۴۰۰ صفحات
- ٥ سرورق آرٹ کارڈ، چار رنگ ڈیزائن
- ٥ قیمت سات روپے، سفید کاغذ پر خاص ایڈیشن دس روپے
- ٥ سلسلہ احمدیہ کی تاریخ و روایات اور قادیان کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے ہر احمدی کے پاس ہونی چاہیئے۔ خدام و اطفال کی تربیت کا پاکیزہ ذریعہ۔
- ٥ ربوہ کے بک سیلروں اور بک سٹالوں سے طلب کیجئے۔

جنید ہاشمی۔ مکتبہ یادگار اکملؔ دار الصدر شرقی ربوہ

Monthly Rabwah

JANUARY 1968 Regd. No. L 5830

جلسہ سالانہ ربوہ کا ایک منظر

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا